فروری 2017
جلد:2--شمارہ:10

اسرا میگزین

تعلیمی وتربیتی رسالہ

جذبہ محبت کے بارے میں دینی، اخلاقی اور سماجی زاویے

محبت نمبر

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي

فہرست

فہم دین

مضامین

گلدستہ

ادارے کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں
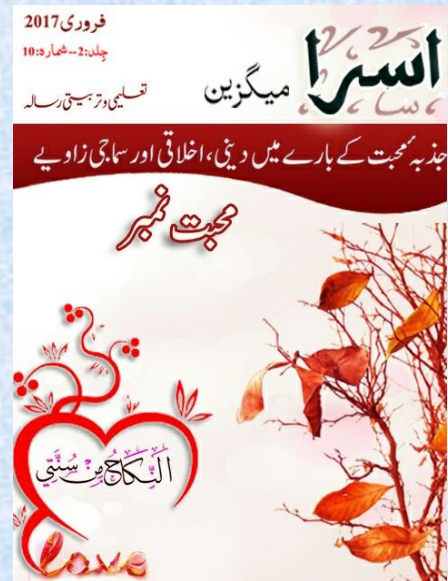
رابطہ کرنے اور تحریریں بھیجنے کے لیے میل کیجیے almubashir.isp@gmail.com

آفیشل ویب سائٹ www.islamic-studies.info

رسالے کی ویب سائٹ www.iisramagazine.org

لرننگ مینیجمنٹ سسٹم www.islamic-studies.info/lms

محبت کے رُخ

از: ساجد محمود (چکوال)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

محترم قارئین! آپ کو اسرا میگزین کے خصوصی شمارے "محبت نمبر" میں خوش آمدید کہتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے۔ مجھے امید ہے آپ کو محبت کے مختلف رُخ دیکھنے کو ملیں گے۔ بنیادی طور پر تو محبت پر دو ہی رُخ پائے جاتے ہیں۔ ایک ہے 'کچھ بھی ہو مجھے شادی وہیں کرنی ہے' اور دوسرا رُخ ہے 'یہ شادی نہیں ہو سکتی'۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ان دونوں کے مابین موجود راہِ اعتدال کو اجاگر کیا جائے اور اس معتدل راہ کی جانب راہنمائی فراہم کی جائے۔ نیز مرضی اور پسند کی شادی یعنی Love Marriage کے فوائد و نقصانات اور والدین کی پسند و ناپسند پر کی جانے والی شادی یعنی Arrange Marriage کے فوائد و نقصانات بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں اپنے محترم مصنفین کا بھی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں جنہوں نے اس سلگتے موضوع پر قلم اٹھایا اور اپنے قاری کو مختلف وادیوں میں لے جا کر محبت کو ہوتے دکھایا، کامیاب محبت کی عکس بندی کی، تو کہیں محبت کے نام پر فریب اور کہیں محبت کے نام پر زندگی کا خاتمہ ہوتا سنایا!

الغرض، ہمارے مصنفین نے محبت کا بے لاگ پوسٹ مارٹم تو کیا ہے لیکن اس پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مرتب کرنا اور اس پر فیصلہ دینا آپ محترم قارئین پر چھوڑا کہ آپ محبت کو کس رُخ سے دیکھتے ہیں؟

والسلام

مدیر اسرا میگزین

خصوصی اداریہ: پیغامِ محبت

السلام علیکم معزز قارئین

میگزین کے ان صفحات کے ذریعے دوسری بار خصوصی شمارے میں آپ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں محبت کے نام پر دو انتہائیں رواج پا رہی ہیں۔ ایک دین کی آڑ میں فطری محبت کی حوصلہ شکنی اور لعن طعن دوسرا صنف مخالف سے جذباتی لگاؤ اس حد تک بڑھ جانا کہ انسان اسے ہی محبت سمجھ بیٹھے اور اس جذبے کا اس قدر اسیر بن بیٹھے کہ نکاح کی شکل میں جائز رخ نہ ملنے کی صورت میں یہ نفسانی عشق و محبت شہوت کے زور پر پروان چڑھے اور انسان کو انسانیت کی سطح سے گرا دے۔ اس قسم کی نفسانی محبت کا رجحان بڑھنے کی بڑی وجہ سوشل میڈیا کا منفی استعمال ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس خصوصی شمارے میں جذبہ محبت کے تمام رخ ظاہر کیے جائیں۔ عشق کی واردات کے تمام بھید اپنی جزئیات سمیت پوری تفصیل سے بتائے جائیں۔ تاکہ محبت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی بجائے، انہیں محبت کے مثبت رخ کی طرف رہنمائی کی جا سکے۔ محبت کیا ہے؟ محبت کیوں ہوتی ہے؟ محبت کا حقیقی حق دار کون ہے؟ محبت روگ کیوں بنتی ہے اور اس روگ سے چھٹکارہ کیسے حاصل کیا جائے؟ ان بھیدوں اور بھول بھلیوں کے علاوہ بھی محبت کے تمام تر پہلو اور زاویے مناسب و موثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جسے فنا نہیں کیا جا سکتا لیکن اسے مثبت رخ دینا نہایت ضروری ہے۔ اللہ نے اس کائنات کی تخلیق ہی محبت کے ذریعے کی۔ صنف مخالف سے محبت ہو جانا بھی ایک واقعاتی حقیقت ہے جس کے لیے ہمارا دین نکاح کا اخلاقی بندھن تجویز کرتا ہے۔ ایک اچھے لکھاری کے لیے محبت کے اثرات دوسرے پہلو سے بہت اہم ہوتے ہیں کہ اس کی حیثیت قائد کی سی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے قارئین کی رہنمائی کا فریضہ سنبھالے ہوئے ہوتا ہے۔ تو ہمارے پیارے لکھاریو! آپ سب کا بہت شکریہ۔ میگزین ٹیم کی شب و روز کی محنت اور ہمارے معزز مصنفین کے تعاون سے یہ یادگار شمارہ "محبت نمبر" آپ کے سامنے ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہماری تمام ٹیم، معاونین و مصنفین کی مساعی قبول فرمائے۔ اس شمارے کو تمام محبت کرنے والوں کے لیے رہنما بنا دے۔ آمین

عظمیٰ عنبرین

نائب مدیرہ: اسرا میگزین

فہم القرآن

از: عظمیٰ عنبرین (ڈی۔جی۔خان)

وَمِنۡ آيَاتِهِ أَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِنۡ أَنۡفُسِكُمۡ أَزۡوَاجًا لِتَسۡكُنُوا إِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَوَدَّةً وَرَحۡمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوۡمٍ يَتَفَكَّرُونَ

سورہ الروم (21/3)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ تم ان کی طرف مائل ہو کر سکون حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کی۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

مطالبہ آیت

محبت انسان کی تمام فطری عادات میں سے انتہائی پر اثر عادت ہے۔ جس کے اثرات دوررس ہیں اور اسلام انسانی طبیعت کے لیے پاکیزہ قوانین متعین کرتا ہے۔ جو نہ صرف انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ بلکہ ان ضابطوں میں جسمانی و روحانی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

متعلقہ احکامات

اللہ نے تم کو ایک جنس سے پیدا فرمایا، پھر اللہ نے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اسے سکون و اطمینان حاصل ہو۔ (الاعراف:189:7)

ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ رحم فرمائے گا۔ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (التوبہ)

مومنین کی مذکورہ بالا خصوصیات کی بنا پر امت کو حقیقی محبت اور خیر کثیر حاصل ہوتی ہے نفرت اور برائی رک جاتی ہے۔

فہم الحدیث

از: مریم نورین (مردان)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ نَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ۔ (سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فضل النکاح، ج ۱، رقم الحدیث ۱۸۴۷، قال الشیخ البانی: صحیح)

"ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے بہتر اور کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔"

مطالبہ حدیث

زندگی سے متعلقہ تمام امور میں روحِ اعتدال کی ترغیب دینا دینِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ صنفِ مخالف سے محبت، رغبت اور قلبی میلان ایک فطری چیز ہے۔ دینِ اسلام بے راہ روی (برائی و زنا وغیرہ) کی تمام صورتیں جو دنیا و آخرت میں نقصان و عذاب کا باعث بنتے ہیں منع کرتا ہے۔ نفسِ انسانی میں موجود فطری و جنسی جذبات و احساسات کی تسکین کے لیے جائز ازدواجی زندگی کے نظام کو قائم کرتا ہے۔ جس کا مقصود جنسی آسودگی کے حصول کے ساتھ اپنے دامنِ عفت کو برائی و بے حیائی سے محفوظ و پاک رکھنا ہے۔ اور جو نسلِ انسانی کی بقاء کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بے نکاحی کی زندگی گزارنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ "دنیا کی چیزوں میں سے میرے دل میں عورت کی محبت ڈال دی گئی ہے۔" (مسند احمد، رقم الحدیث 14037)

متعلقہ احکام

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ (الفرقان: ۷۴)

"اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔"

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

"اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نکاح کا حکم دیتے تھے اور بے نکاح رہنے سے منع فرماتے تھے اور بے حد محبت کرنے والی، کثرت سے بچہ جننے والی عورت سے نکاح کی تلقین کرتے تھے۔ (مسند احمد، ج ۳، ص ۲۴۵)

آج صبح ساڑھے دس بجے اسد کی ایک کاروباری ڈیل کے معاملے میں ایک کلائینٹ سے تیسری ملاقات طے تھی۔ وہ باری صاحب سے تقریباً سات سال سے کاروباری لین دین کر رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ یہ ڈیل جلد از جلد طے کروا کر اپنا منافع کھرا کرے کیونکہ اگلے مہینے اس کی بیوی دوسرے بیٹے کی ماں بننے والی تھی اور ہسپتال کے ممکنہ اخراجات منہ پھاڑے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ وقت مقررہ پر باری صاحب سے ملنے گیا تو استقبالیہ پر آج ایک نئی لڑکی کو بیٹھے دیکھا۔ اپنا وزٹنگ کارڈ اسے دے کر ملاقات کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے بلاوا آ گیا اور تقریباً آدھے گھنٹے کی گفت و شنید کے بعد ڈیل فائنل ہو گئی اور باری صاحب نے انٹر کام پر کسی فریال کو اندر بلایا اور ساتھ ہی اسد سے کہا کہ ڈاکومنٹس کی فائل مکمل کر کے اسے پہنچا دینا۔ دروازہ کھلا تو وہی استقبالیہ والی لڑکی اندر آئی تو باری صاحب نے اسے فائل کے بارے میں بتایا اور اسد کی طرف اشارہ کر کے تاکید کی کہ جونہی اسد صاحب کی طرف سے آپ کو فائل ملے تو فوراً اسے میرے ٹیبل پر پہنچا دیں۔

فائل کی تیاری کے دوران اسے دو تین بار فریال کو کال کر کے کچھ معلومات دریافت کرنا پڑیں جس سے ان کی آپس کی اجنبیت کافی حد تک دور ہو گئی اور پھر اکثر کام کے علاوہ بھی بات چیت ہونے لگی کیونکہ فریال کے پاس تقریباً ہر موضوع پر بات کرنے کو کچھ نہ کچھ موجود ہوتا تھا۔ وہ غیر شادی شدہ اور تقریباً 36 سال کی تھی لیکن عمر سے کم دکھائی دیتی تھی۔ اسد بھی تقریباً 36 سال کا ہی تھا۔ دو تین مہینے کی بے تکلفی کے بعد وہ اب باہر بھی ملنے لگے۔ اسد کی بیوی کی مصروفیت گھر گرہستی اور نئے بچے کی وجہ سے بڑھ گئی اور اسد کو گھر سے باہر بزنس کے علاوہ ایک اور محبت مل چکی تھی۔ اس دوران یہ دونوں ہی ایک دوسرے سے تھوڑے لاپرواہ ہو گئے۔

جب مرد کسی دوسری عورت میں دلچسپی لینا شروع کرے تو ایسے معاملات زیادہ دیر چھپے نہیں رہتے اور بیوی کی چھٹی حس خاص طور پر ان معاملات میں فعال ہو جاتی ہے۔ چند ایک بار اس نے اسد کو فون پر باتیں کرتے دیکھ کر پوچھا تو اس نے کلائینٹ کا کہہ کر بات گول کر دی لیکن ذہن مطمئن نہ ہوا۔ پھر دن میں بھی لنچ ٹائم اور آفس سے چھٹی کے وقت اسد کا موبائل کافی زیادہ مصروف رہنے لگا۔ ایک دن اسد کی غیر موجودگی میں جب اس کی بیوی نے اس کا موبائل چیک کیا تو اس میں فریال کے نام پر کی گئیں لمبی لمبی کالوں کی لسٹ اس کے شک کو یقین میں بدلنے کو موجود تھی۔ اس روز ان کی پہلی بار

آپس میں باقاعدہ لڑائی ہوئی جس میں اسد اپنی کسی غلطی کو ماننے پر تیار نہیں تھا۔ اس کی بیوی بھیگی آنکھیں اور بوجھل دل لئے چپ کر گئی اور سوچنے لگی کہ کیسے اس مسئلہ سے خلاصی ہو۔

اسد کی خاندان بھر میں کافی عزت تھی جو اب داؤ پر لگی تھی۔ ابھی تو صرف اس کی بیوی کو اس بات کا پتہ چلا تھا کل کو اگر خاندان والوں کو پتہ چلتا تو لڑائی جھگڑا علیحدہ اور رشتوں میں دراڑ علیحدہ۔ تقریباً چھ مہینے سے اسد اور اس کی بیوی میں فریال کی وجہ سے اب کافی تناؤ رہنے لگا تھا۔ اسد کی بیوی نے اس معاملے کو سلجھانے کے لیے اپنی باجی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ بات گھر کے بڑوں کے سامنے رکھو تا کہ انہیں بھی پتہ چلے کہ ان کا بیٹا کیا گل کھلا رہا ہے۔ اسد نے اس دھمکی کو بھی اپنی بیوی کے سامنے ہوا میں اڑا دیا کہ تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں لیکن دل میں چور ہونے کی وجہ سے وہ ڈر بھی گیا۔

فریال چاہ رہی تھی کہ اسد اس سے چپکے سے شادی کر لے بعد میں مناسب وقت پر اس کا اظہار کیا جائے لیکن اسد کی مالی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ وہ دو گھروں کا خرچ چلا سکے لہٰذا وہ اس بارے میں اتنا سنجیدہ نہیں تھا۔ لیکن اب اس معاملے کو لے کر وہ بھی تنگ تھا کہ بات نکلنے پر مارکیٹ میں اس کی ساکھ پر برا اثر پڑے گا ساتھ ہی ساتھ خاندان میں بھی بدنامی ہو گی۔ اوپر سے اس کی بیوی کہہ چکی تھی کہ اگلے مہینے بیٹے کی پہلی سالگرہ پر جب سب خاندان والے اکٹھے ہوں گے وہ ان سے اس معاملے پر بات کرے گی۔ فریال کی شادی کرنے کی ڈیمانڈ بھی بڑھ چکی تھی اور کئی دفعہ وہ اسد کو شادی سے بھاگنے کے طعنے دے چکی تھی اور اسد کو بھی کوئی راہ اس دلدل سے نکلنے کی نظر نہ آ رہی تھی۔ جوں جوں سالگرہ نزدیک آ رہی تھی اسد کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ سالگرہ سے ایک ہفتہ پہلے اسد نے اپنے شہر کے ایک معروف عالم دین سے اس معاملے کو سلجھانے کے لئے علیحدہ سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ تم سچے دل سے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر اللہ سے اس معاملے کو حل کرنے کو درخواست کرو اور اپنی ممکن حد تک کوشش کرو کہ فریال سے آئندہ رابطہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ کی آیت 222 میں فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۔

مغرب کا وقت ہوا چاہتا تھا، اسد نے اسی وقت مسجد کا رخ کیا نماز پڑھ کر دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی تو مسجد سے باہر نکلتے وقت اس کا دل سکون سے بھرا تھا کہ اب معاملہ اس ذات کے ہاتھ میں ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔ گھر جاتے ہوئے راستے میں اسے پھر فریال کی کال آئی تو اس نے اس میسج کے ساتھ ریجیکٹ کر دی کہ میں اپنی فیملی کے ساتھ مصروف ہوں۔ دو منٹ بعد ہی فریال کا میسج آیا، "اگر تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے تھے تو مجھ سے ہنس کھیل کر ٹائم پاس کیوں کرتے رہے؟ جب تمہیں ضرورت محسوس ہوتی تم مجھ سے دل لگی کرتے اور جب میں تمہیں کال کروں تو تمہیں اپنی فیملی کو ٹائم دینا یاد آ جاتا ہے۔ میرا بھی کوئی گھر اور شوہر ہونا چاہیے۔" اسد کو اس میسج کی توقع نہیں تھی لیکن اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور فریال کو سیدھے الفاظ میں بتا دیا کہ وہ اس سے شادی کرنا افورڈ نہیں کر سکتا لہٰذا اب مزید تعلق کی گنجائش نہیں۔ اسد نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اتنی جلدی اس کی دعا قبول ہوئی لیکن ابھی یہ پریشانی باقی تھی کہ اپنی بیوی کو کیسے یقین دلایا جائے کہ فریال والا معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا۔

اسد مناسب وقت کے انتظار میں تھا کہ سالگرہ سے پہلے ہی یہ معاملہ سلجھ جائے اس نے اپنی بیوی سے اس معاملے پر بات بھی کرنا چاہی لیکن وہ کوئی بات سننے پر راضی نہ تھی۔ اسد اللہ سے دعا کرتا کہ اے مالک تو توبہ کرنے والے سے محبت کرتا ہے میں نے بھی دنیاوی جھوٹی محبت سے توبہ کی ہے تو اپنی سچی محبت عطا فرما اور مجھے دنیا کی رسوائی سے بچا۔ سالگرہ میں صرف دو دن باقی تھے کہ ایک رات سونے سے پہلے اسد کی بیوی نے اسد سے کچھ یوں بات کی، "آپ میرے بچوں کے باپ ہیں اور مجھے آپ پر اعتبار نہیں تو میں اپنے بچوں کو کیسے آپ پر اعتبار کرنا سکھاؤں؟ ہر باپ اپنی اولاد کا پہلا ہیرو ہوتا

ہے میں آج اگر آپ کی شخصیت کا یہ منفی پہلو دنیا کے سامنے لاؤں تو کل کو بچے یہی باتیں دوسروں سے سنیں گے تو انہیں آپ کو اپنا ہیرو مانتے ہوئے شرمندگی ہو گی اور آپ بچوں کی نظر میں آئیڈیل نہیں رہیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ ہماری کسی بھی معاملے میں سب کے سامنے رسوائی ہو کیونکہ میں اور بچے آپ کو چاہتے ہیں اور ہم سب کی عزت سانجھی ہے۔ میں آپ کو ایک بار کی غلطی پر سدھرنے کا موقع دیتی ہوں خدارا مجھے مایوس مت کرنا" بھیگی آنکھیں اور بوجھل لہجے سے یہ باتیں کرتے ہوئے جب اس نے اسد کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بھی ایسا ہی نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ اس نے حیرانگی سے پوچھا کہ یہ کیا؟ تو اسد اسے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اتنا ہی کہہ سکا کہ جائز محبت کو بُھلا کر ناجائز محبت کی طرف جانا ایک غلطی تھی لیکن میں واپس آ چکا ہوں۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

عید والا جوڑا بھی اٹھا لینا!

آز: ساجد محمود (چکوال)

دیکھو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں. میرا سچا پیار تمہارے ساتھ ہے۔ میری محبت پر یقین رکھو۔ یہ والدین تو ہیں ہی اپنی ضد پوری کرنے والے۔ کیا ہم ہی رہ گئے ہیں ان کی خواہشات کو پورا کرنے والے۔ آخر ہماری بھی تو خواہشات ہیں۔ زندگی ہم نے گزارنی ہے ڈارلنگ والدین نے نہیں۔

ہاں زندگی تو ہم ہی نے گزارنی ہے۔ لیکن اگر بات اتنی ہی مختصر ہے تو پھر والدین سے اپنے راستے اس وقت جدا کر لیتے جب ہوش سنبھال لیا تھا۔ بیس پچیس سال ان کی محنت کھاتے رہے. تمہارے سکون راحت خوشی اطمینان تعلیم تربیت خواہشات کی لمبی فہرست کو عبور کرنے پر وہ سالوں سے اپنے سکون و آرام کی قربانی دیتے آ رہے ہیں۔

بس کرو ڈارلنگ، بس کرو۔ یہ وقت نہیں تقریر کا۔ جلدی سے اپنی ضروری چیزیں اٹھا کر پچھلے گیٹ سے نکلو اور نیلے پل پر ملو۔ میں گاڑی لے کر پہنچ رہا ہوں۔ اور ہاں، وہ عید والا جوڑا ضرور اٹھا لینا۔ اوکے؟

دیکھو، میری ایک بات آپ غور سے سنو، پھر میں آپ کے ساتھ ہوں۔ کہ میں اتنی خود غرض نہیں کہ اپنے باپ کی 25 سال کی کمائی کھا کر آج انہی کے خریدے ہوئے لباس اور دیگر چیزیں چوری کر کے تمہارے پاس آ جاؤں۔ یہ میرے ضمیر کے خلاف ہے۔ ہاں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں والدین کی مرضی کے خلاف آپ کے پاس آ جاؤں تو ایک سودا کرنا ہو گا شریف صاحب!

وہ کیا؟ اور دیکھو ڈارلنگ یہ سودے وودے چھوڑو، دیکھو وقت نکل رہا ہے، تمہارے ڈیڈی صاحب بھی آنے والے ہیں، ادھر میرے ابا حضور بھی آ گئے تو گاڑی نکالنا مشکل ہو جائے گا۔۔ بس میں موبائل رکھتا ہوں اور آپ تشریف لے آئیے۔

ایک سیکنڈ شریف صاحب، ایک سیکنڈ۔ میں سوچ چکی ہوں کہ جو شخص مجھے میرے والدین سے چرا سکتا ہے وہ کل مجھے میری عزت سمیت بیچ بھی سکتا ہے، اس لیے شریف صاحب آپ اپنے والدین کو دھوکہ دیجیے، مجھے میرا ضمیر جگا چکا ہے!!!

آن دیکھی محبت

از: عمارہ خان (سعودی عرب)

سوشل میڈیا سے کون واقف نہیں اس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور مقبولیت سے اب ہر کوئی واقف ہے۔ جہاں اس کے مثبت اثرات ہیں وہاں برے بھی ہیں منفی اور مثبت یہ چیزیں ایسی ہیں جہاں انسان نے کسی ایک سوچ کو اپنانا ہوتا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ قبل ہمیں اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا جب کوئی نئی ٹکنالوجی آتی ہے تو انسان اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور وہ تجسس اور حیرانگی سے اس کا استعمال بہت زیادہ کرلیتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کے اصل استعمال سے واقف ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ نقصان دہ بات یہ ہے کہ جب آپ اپنے دائرے کو پھیلانے لگتے ہیں۔ آپ اس سوچ کے ساتھ مختلف دوست بنانے لگ جاتے ہیں۔ یہاں بات ہم نوجوان نسل کی کریں گے جو اس کے برے اثرات سے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ یا تو وقت گزاری ہو جاتی ہے یا واقعی کسی کے عشق میں قید ہونے لگتے ہیں یہ چیز ان کے ذہن کو اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ختم کر دیتی ہے۔ آپ کسی کو نہ تو دیکھ سکتے ہیں ورنہ ہی آپ کو ان کے اصل شوق، قابلیت، سرگرمیوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے، صرف لفظوں کے جال ہوتے ہیں محض اس کی بنیاد پر آپ خود کو کسی بھی طرح خراب مت کریں۔ آپ پردے کے پیچھے کے منظر سے واقف نہیں ہوتے۔ اتنا اعتبار اور یقین کر لینا بھی ٹھیک نہیں۔ آپ کے والدین جب آپ کے لیے کسی لڑکے یا لڑکی کا انتخاب کرتے ہیں دس بار پرکھتے ہیں ان کو جانچتے ہیں پھر کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں لیکن یہاں پر سارے فیصلے دل کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں اور بعد میں پچھتاوے اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ ہمارے دین کی خوبصورتی یہ ہے کہ اللہ نے مرد اور عورت میں پردہ حائل کیا ہے۔ خدا نے تو اپنے احکامات کے ذریعے ہر انسان کو محفوظ کیا ہے لیکن یہ انسان خود کو ہی تکلیف دینے لگ جاتے ہیں۔ جو کہ غلط بات ہے آپ سوشل میڈیا پر دوست بنائیں مگر وہ جو آپ پر مثبت اثر ڈالیں تاکہ آپ بے راہ روی کا شکار نہ ہوں۔ آخر میں یہ کہنا چاہوں گی کہ دین کے دائرے میں ہی رہ کر کوئی کام کریں اللہ ہمیشہ ساتھ دے گا چاہے سوشل میڈیا پر ہوں، یونیورسٹی میں ہوں کسی بھی جگہ پر ہوں آپ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ اللہ ہم سب کو سیدھا راستہ دکھائے۔ آمین ثم آمین۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

محبوب کی ادائیں

از: عظیم الرحمان عثمانی (برطانیہ)

کہتے ہیں کہ مجنوں نے ایک روز اپنی لیلیٰ کی آمد کا سنا تو اس کی جھلک دیکھنے کے لئے اونٹ سے چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زخمی ہو گیا مگر شوقِ بیتابی میں آگے بڑھتا گیا۔ اب عقلمند یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بیوقوف نے چھلانگ کیوں لگائی؟ آرام سے سلیقے سے اتر آتا تو چوٹ نہ لگتی۔ لیکن انہیں کون سمجھائے؟ کہ عشق و محبت میں انسان ایسے حساب کتاب سے ناآشنا ہوتا۔ ایک روز دورانِ خطبہ، رسول پاک ﷺ نے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائیں لہٰذا سب بیٹھ گئے۔ ایک صحابی ابھی مسجد سے باہر ہی تھے لیکن جیسے ہی یہ حکم سنا تو وہیں بیٹھ گئے۔ کسی نے سمجھایا کہ بھائی نبی اکرم ﷺ کا حکم مسجد کے اندر والوں کے لئے تھا تو آپ اندر جا کر بیٹھ جاؤ، جواب دیا کہ کیا اتنی دیر میں حکم کی تعمیل نہ کروں جبکہ رسول کا حکم میرے کانوں تک جا پہنچا ہے؟ ایک اور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی بار ملاقات کی، جس وقت ملے اس وقت آپ ﷺ کی قمیض کا گریبان کچھ کھلا ہوا تھا بس پھر ساری زندگی ان صحابی نے بھی اپنی قمیض کو وہاں سے کھلا رکھا۔ ایک تیسرے صحابی نے دورانِ سفر رسول کریم ﷺ کو ایک درخت کے نیچے سے جھک کر گزرتے دیکھا تو پھر ساری زندگی وہ صحابی جان بوجھ کر اس درخت کے نیچے سے جھک کر گزرتے رہے۔ ایسے ہی اور متعدد قصے موجود ہیں۔ محبت ایسی ہی بے لوث ہوتی ہے، یہ محبت جب بڑھ کر عقیدت بنتی ہے تو وہ محبوب کی ہر ادا کو اپنا لیتی ہے۔ اسی کو پنجابی شاعر کچھ یوں کہتا ہے:

رانجھا رانجھا کر دی نی میں، آپے رانجھا ہوئی

سدّو نی مینوں دھیدو رانجھا، ہیر نہ آکھو کوئی

محبت اس بات کی محتاج ہرگز نہیں ہوتی کہ محبوب کی پیروی صرف اسی صورت میں کی جائے جب اس ادا کی حکمت و مقصد سے آشنائی ہو۔ وہ تو بس محبوب کی ہر ہر ادا پر فنا ہونا جانتی ہے۔ وہ تو محبوب کے ہر حکم پر سر تسلیم خم رکھتی ہے۔ رسول عربی ﷺ کی عادات اور مزاج کے متعلق جو معلومات ہمیں حدیث مبارکہ سے منتقل ہوئی ہیں، ان کی پیروی بھی اسی جذبہ سے کی جاتی ہے۔ یہ اور بات کہ آپ ﷺ کی ہر سنت میں حکمت ضرور ہے جسے جان لینا احسن ہے۔ مثال کے طور پر مسواک کا مقصد دانتوں کی صفائی ہے، لہٰذا اس سنت کے مقصد کو پانے کیلئے آج ٹوتھ برش بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی آج بھی مسواک ہی کو عادت بناتا ہے تو اس کے اس جذبہ پر تنقید نہیں کرنی چاہیئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ شخص بھی اس سنت کی حکمت سے آگہی رکھے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔

لیبر آف لَو

از: شیریں حیدر (اسلام آباد)

میں ایک ایک ٹانکہ بنتے ہوئے، اس سویٹر کی ایک لائن کو پہلی سلائی سے دوسری سلائی پر منتقل کرتی، اسے مکمل کر کے واپس موڑ کر اپنے سامنے کرتی، اسے تھوڑا سا بڑھا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی، اسے ہاتھ لگا کر اس کے نرم لمس سے لطف اندوز ہوتی اور اگلی سلائی بننا شروع کر دیتی، میں نہیں جانتی تھی کہ میرے اس عمل کو میرے علاوہ بھی کوئی دیکھ رہا ہے اور اس سے محظوظ ہو رہا ہے... ''کس کا سویٹر بن رہی ہو تم پیاری؟'' میرے سامنے بیٹھی خاتون نے مجھ سے انگریزی میں سوال کیا۔ ''اپنی بہن کے بیٹے کا!'' میں نے مختصراً اسے بتایا، ''وہ پاکستان میں ہے، اسے بھجواؤں گی''۔ ''بہن کے بیٹے کا؟ جس پیار سے تم اسے بن رہی ہو میں سمجھی کہ تمہارے اپنے بچے کا ہو گا۔ یہ سویٹر تم اسے مفت میں دو گی یا کہ اس نے تم سے خریدنا ہے؟'' اس کے سوال پر میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''یہ میں اسے یقیناً تحفے میں دوں گی۔ بہن کا بیٹا بھی تو میرے بیٹے جیسا ہی ہے نا، تحفے کا بھی کوئی عوضانہ ہوتا ہے بھلا اور پھر بہن بھائیوں سے بھی کوئی یوں کچھ بنا کر دینے کے پیسے وصول کرتا ہے؟'' میں نے اسے جواب بھی دیا اور اگلے حصے میں اپنی حیرت کو سوال بنا کر شامل کر دیا۔ ''باقی سب کا تو مجھے علم نہیں۔ مگر میں یہ جانتی ہوں کہ ہمارے ہاں اپنے ہاتھ سے بن کر دیا ہوا تحفہ، تحفوں میں سب سے بہترین شمار ہوتا ہے، اس تحفے کے ایک ایک ملی میٹر کو بنتے ہوئے آپ کا ہاتھ، نظر اور محبت اس کے ساتھ ساتھ گندھتی ہے، میں ابھی دیکھ رہی تھی کہ اس کی ہر سلائی کے بعد تم اسے دیکھتی ہو تو تمہارے چہرے پر ایک محبت نظر آتی ہے، تم چشمِ تصور سے اس بچے کو دیکھتی ہو جسے یہ سویٹر پہننا ہے، یہی سب سے بڑا اور خوب صورت احساس ہے'' !! میں اس روز ٹرین سے سینٹرل لندن سے Slough جا رہی تھی تو اپنا بُنائی کا تھیلا ساتھ رکھ لیا کہ ایک گھنٹہ فارغ بیٹھنے کے بجائے سویٹر کا کچھ حصہ بن لوں گی، معمول میں تو ہم بھی انگریزوں کی طرح اپنے پاس ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب بیگ میں رکھتے تھے جو کہ اس وقت بھی تھی کہ ان کے ہاں وقت کا کوئی لمحہ ضایع کرنے کا رواج نہ تھا، وہ ہر لمحے سے فائدہ اٹھاتے تھے کہ ان کے ہاں اس وقت زندگی تیز رفتار تھی۔ میں نے اس روز اس کی باتیں سن کر سوچا کہ شکر ہے وقت کی ایسی تیز رفتاری اور ایسی مادہ پرستی والی سوچ کا ہمارے معاشرے سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، ہمیں اقدار کا علم ہے، ہم میں محبت ہے، رشتوں کی پہچان ہے اور محبت ہر چیز سے اہم ہے- آج اس واقعے کے فقط اٹھارہ برس کے بعد، میں افسوس سے سوچتی ہوں کہ ہمارے ہاں مغربی معاشرے کے منفی اثرات اور سوچیں اتنی تیزی سے در کر آئی ہیں کہ انھوں نے ہماری اپنی اقدار پر جھاڑو پھیر دیا ہے۔ جو عادات، اطوار اور محبت ہمارے معاشرے کا حسن تھیں، ان کی جگہ مادہ پرستی اور خود غرضی نے لے لی ہے، ہم نے اپنی ان صلاحیتوں کو بھی دوسروں کی فلاح کے لیے استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے جو ہمارے لیے عطیۂ خداوندی ہیں۔ ایک انسان کے پاس اس کی صلاحیتیں ہی تو ایسی چیز ہیں جن کے باعث وہ دوسروں کو فائدہ دیتا ہے، ان کے دل جیتتا ہے، یا ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔

میں اپنی دکان سے اپنے ابا کو بھی سودا مفت میں نہیں دیتا!

میں معاوضہ لے کر پینٹنگ اپنے دوستوں اور اہل خاندان کو بنا کر دیتا ہوں!

میں کمپیوٹر کا استعمال اپنے بزرگوں کو سکھاتا ہوں تاکہ وہ نئی ٹیکنالوجی سے آگاہ ہوں اور ان کا رابطہ نئی نسل سے بہتر ہو سکے، ہاں مگر میں اس کام کا معمولی سا عوضانہ بھی لیتا ہوں!

میں شام کو اپنی نندوں اور دیوروں جیٹھوں کے بچوں کو انگریزی اور سائنس پڑھاتی ہوں۔ آف کورس میں مفت میں یہ کام نہیں کر سکتی، میرے ماں باپ نے مجھ پر رقم خرچ کر کے مجھے پڑھایا ہے اور میں دوسروں پر مفت میں اپنا وقت برباد نہیں کر سکتی!

ہاں مجھے کپڑوں کی سلائی کرنا آتی ہے مگر میں نے اپنی سسرال میں کسی کو نہیں بتایا تاکہ وہ لوگ مفت میں مجھ سے کپڑے نہ سلوانا شروع کر دیں!

میں دن کو اپنی دکان پر کمپیوٹر کی مرمت کا کام کرتا ہوں اور شام میں اپنے دوستوں اور خاندان کے لوگوں کے کمپیوٹرز کے مسائل حل کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس پر میری محنت لگتی ہے، میں ان سے بھی رقم لیتا ہوں!

میں ڈاکٹر ہوں۔ ساری دنیا کے علاج کے پیسے لیتا ہوں تو خاندان اس سے مستثنیٰ تھوڑا ہی ہو سکتا ہے، ان پر بھی میری اتنی ہی محنت لگتی ہے۔ وہ اگر مجھے رقم نہیں دیتے تو کسی اور سے علاج کروالیں۔

آج کل ایسے فقرے میں اپنے اردگرد کثرت سے سنتی اور سر دھنتی ہوں۔ ایسی خود غرضی، لاتعلقی، بے مروتی و بے اعتنائی، بد لحاظی، لالچ اور بے حسی کا ہماری معاشرت کا حصہ بن جانا ہماری بدقسمتی ہے۔ ہم نے مغربی معاشرے کے منفی اثرات کو خود پر جتنی رفتار سے طاری کیا ہے کاش اس سے ذرا سا بے شک کم مگر ان کی مثبت عادات کو بھی اپنی معاشرت کا حصہ بننے دیتے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے، اسے ہم نے اپنے پاس سمیٹ رکھا ہے، اسے دوسروں پر خرچ کر دینا اس کا زیاں سمجھتے ہیں خواہ وہ وقت ہو، مسکراہٹ، احساس، محبت یا صرف محبت کی ایک نظر۔ ان پر ہمارا کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا مگر پھر بھی ہم کسی کو ان میں حصہ دار نہیں بنانا چاہتے۔ مسکراہٹ تو اچھوت کی بیماری کی طرح ہے، آپ مسکراتے ہیں تو اردگرد کے لوگ بھی مسکرا اٹھتے ہیں، آپ کسی کا ذرا سا احساس کرتے ہیں تو اس کا دل جیت لیتے ہیں، محبت کو جتنا تقسیم کرو اسے دوسرے اتنا ہی ضرب کے عمل سے گزار کر آپ کو لوٹا دیتے ہیں اور محبت کی ایک نظر دینے میں تو اور بھی کچھ خرچ نہیں ہوتا، صرف دل کو صاف کرنے اور انسان کو انسان سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس باپ نے تمہیں پڑھا لکھا کر، پال پوس کر اس قابل بنایا کہ تم اپنی دکان چلا سکو تو اس سے تو کاروباری انداز کا برتاؤنہ کرو، تم ڈاکٹر ہو، انجینئر، سائنس دان یا مکینک، آرکیٹیکٹ، نرس، ڈیزائنر، یا کلرک، ڈرائیور، مستری، رنگ ساز ہو یا کچھ بھی اور۔ اپنی مہارت و قابلیت کا کچھ حصہ محبت کے نام پر بھی لٹاتے جاؤ!

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص محبت کرے تو اللہ کے لیے، بغض رکھے تو اللہ کے لیے، دے تو اللہ کے نام پر، نہ دے تو اللہ کی رضا مندی کے لیے، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔" (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

لَومیرج کرنے والے بیٹے کے نام خط!

از: حسنات محمود (اٹلی)

لخت جگر! تم نے آخر وہ کر دکھایا جو کرنے کا کہہ کر تم مجھے اور اپنی ماں کو چھوڑ کر چلے گئے ہو! میں نے سنا ہے اس لڑکی نے بھی اپنے گھر والوں سے بغاوت کر کے تم سے کورٹ میرج کی ہے۔ میری جان! میں نے لفظی مخالفت کے سوا تمھاری شادی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ اب جبکہ تم نے یہ قدم اٹھالیا ہے تو میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں آباد رکھے۔ جب سے تم نے نئی محبت کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہے تم نے میری اور اپنی ماں کی برسوں کی محبت کو تو پس پشت ڈال ہی دیا ہے لیکن اب تو اپنا چہرہ بھی دکھانے نہیں آتے۔ خیر یہ جذباتی گلے شکوے تو دونوں طرف سے ختم نہیں ہوتے نہ ہوں گے۔ میں ایک بات کہوں گا تو شاید تمھارے پاس اس کے جواب میں دس باتیں ہوں۔ اب جب اللہ تمہیں اولاد دے گا تو کل شاید تمہیں بھی اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے جو مجھے درپیش ہے۔ اسی لیے میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں کہ میرا تجربہ شاید تمھارے کام آئے۔ کوشش کروں گا کہ وہ تمام دلیلیں اور ان کا جواب نقل کر دوں جو ہم ہمیشہ ان بحثوں میں ایک دوسرے کو دیتے آئے ہیں۔

پیارے بیٹے میں یہ مانتا ہوں کہ اسلام نے مرد و عورت کو پسند کی شادی کی اجازت دی ہے۔ مگر پہلے تو یہ بات طے کرنا ہوگی کہ پسند سے کیا مراد ہے؟ جس شادی کو تم بچے پسند کی شادی کہتے ہو کیا اسلام بھی اس کو پسند کی شادی کہتا ہے؟ میرے بیٹے! کسی سے محبت ہو جانا یا آپ کو کسی کا پسند آجانا فطری سی بات ہے جس سے کوئی عام انسان انکار نہیں کر سکتا تو رب العزت، جو خالق انسان ہے وہ اس بات سے کیسے انکار کر سکتا ہے_ مگر میرے بچے! کیا اللہ نے اس معاملے میں ہم پر کوئی اخلاقی حدود عائد نہیں کیں؟ اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند آجائے تو اس پر اسلام کو کوئی اعتراض نہیں نہ ہی مجھے۔ اس کا شریفانہ طریقہ یہ ہے تم اپنے ماں باپ کو اس کے گھر بھیجو اور اگر وہ لڑکی اور اس کے ماں باپ اس پر راضی ہوں تو اس کو بیاہ کے اپنے گھر لے آؤ۔ تم نے جو اس کو پسند کر لینے کے بعد، اس سے خود براہ راست رابطہ کیا یہ کس شرع میں جائز تھا؟ اگر رابطہ جائز ہو بھی تو ایک بار کا رابطہ ہو سکتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے، رات کے پچھلے پہروں میں، دن کی روشنی میں، کالج کے میدان میں یا گھر کے غسل خانے میں چھپ چھپ کر موبائل پر باتیں کرنا، گھنٹوں ایک دوسرے کے جنسی جذبات کو بغیر کسی جائز رشتے کے بھڑکانا کون سے اسلام کی تعلیمات ہیں؟ تمہیں یاد ہے؟ کچھ سال پہلے، جب تمھاری باجی کالج پڑھتی تھی اور ایک لڑکے نے گلی میں اس کو اپنا موبائل نمبر دینے کی کوشش کی تھی۔

تم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ صرف اس لیے کہ وہ تمھاری بہن، تمھاری عزت تھی۔ تو میری جان جس لڑکی کو تم نے اپنی طرف راغب کیا وہ بھی تو کسی کی عزت تھی ناں؟ ایک عمل جو تمھاری بہن کے ساتھ ہو تو تم اس کو ناجائز کہو وہی عمل اگر تم خود کرو تو جائز ہو جائے گا؟ تم نے تو

قرآن میں پڑھا ہے کہ وہ عورت اللہ کی پسندیدہ نہیں جو چھپ چھپ کر کسی سے تعلق رکھے۔ اب کیا تعلق صرف جسمانی ہوتا ہے ؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں کے دیکھنے، ہاتھ کے چھونے، زبان سے کہنے اور کان سے سننے کو بھی بدکاری میں شمار نہیں کیا؟ تو جب تم پسند کے بعد ایک لڑکی کو ان سب گناہوں پر اکساؤ گے تو اس تعلق کو تم کیسے اسلام کے مطابق کہہ سکتے ہو۔ اور وہ تصویریں جو ایک دوسرے کو بھیجتے ہو اس زنا میں شمار نہیں ہوتیں ؟

اسی ذیل میں تمھاری وہ دلیل بھی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی بھی تو پسند سے ہوئی تھی۔ ہاں بیٹا! وہ پسند کی شادی تھی۔ مگر تم اپنی دلیل میں ہمیشہ اس شادی کا ایک پہلو بیان کرتے ہو اور دوسرے سے صرف نظر کرتے ہو ۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پسند آگئے تو نعوذ باللہ انہوں نے ان سے براہ راست رابطہ قائم کر کے کوئی افیئر چلایا؟ نہیں! انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغامِ نکاح بھیجا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بزرگوں کی اجازت سے قبول فرمالیا۔ کیا دونوں نے مکہ کے کسی گلی کونے میں تنہائی میں ملنے کے مشورے کیے ؟ یا شادی سے پہلے ہی راتیں ایک دوسرے سے گپوں میں گزاریں ؟ بیٹا جس عمل کو تم دلیل بنا رہے ہو وہ تب دلیل بنے گی جب تمہارا عمل اپنی ہی دی ہوئی دلیل کے عین مطابق ہو گا۔

بیٹا یہ تو اسلام کی دلیل تھی۔ اب تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں کی کچھ اقدار ہیں۔ ہم اس تہذیب کا حصہ ہیں جہاں دوسرے کی ماں بہن کی عزت کو اپنی عزت سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پر کسی کو اجازت نہیں کہ جس دوست نے اس کو اپنا بھائی سمجھ کے گھر میں داخلے کی اجازت دی اسی کی بہن کو اپنی محبت کے جال میں پھنسالیا۔ یا جس ماموں، خالہ، پھوپی یا چچا نے کسی وجہ سے اپنی جوان بیٹی کو ہمارے گھر بھیجا اس کی عزت کی حفاظت کرنے کی بجائے چپکے چپکے اسی سے خفیہ یارانہ لگا لیا۔ جس رشتہ دار نے عزت دے کر اپنے بیٹے کی شادی میں بلایا اسی کی بیٹی سے موبائل پر تعلق قائم کر لیا۔

بیٹے میں تھاری پسند کے خلاف نہیں لیکن اپنی ہوس کو اسلام کے مطابق کہنے کو برا کہتا ہوں ۔ بس ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تمہیں وہ لڑکی پسند آگئی تو تم نے فوراً اس کے ہاں رشتہ بھیجنے کا بندوبست کیوں نہ کیا؟ جو دو سال اس سے دن رات رابطے میں رہے، ایک دوسرے کو اپنی تصاویر بھیجیں، گپیں لگائیں وہ کس اسلام کے تحت کیا؟ میرے بچے کبھی سکون سے بیٹھو تو سوچنا کہ جس رشتے کی بنیاد ہی ایسے حرام کاموں پر ہو، جس میں ایک دوسرے کو اتنا عرصہ بغیر کسی رشتے کے اپنی طرف راغب رکھا جائے اس میں برکت ہو سکتی ہے ؟

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ اسلام سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتے ہیں۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ جبرائیل علیہ اسلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان والوں میں اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتے ہیں۔ تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پھر آسمان والے اس سے محبت شروع کر دیتے ہیں۔ پھر زمین والوں میں بھی اس کی مقبولیت پھیلادی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری و مسند احمد)

محبت یوں بھی ہوتی ہے

از: عظیم الرحمٰن عثمانی (انگلینڈ)

آج سے کافی سالوں پہلے میں انگلینڈ کے ایک مشہور فیشن ریٹیل اسٹور کا مینجر ہوا کرتا تھا۔ میرا نرم مزاج جہاں میرے ساتھ کام کرنے والوں کے لئے سکون کا سبب تھا، وہاں میرے سینئر مینجرز میری نرم مزاجی سے نالاں تھے۔ ان کے نزدیک کامیاب مینجر بننے کیلئے لازم تھا کہ میں جائز و ناجائز انداز میں اپنے ماتحت ملازمین کو شدید دباؤ میں رکھوں۔ اس کے برعکس میری سوچ ہمیشہ یہ رہی کہ جو نتائج باہمی محبت و خلوص سے حاصل ہوتے ہیں، وہ کبھی بھی بے وجہ سختی سے نہیں ہوا کرتے۔ مجھے میرا باس سمجھایا کرتا :

"Azeem mate, Be a Rottweiler , Be as aggressive as you can"

غرض یہ کہ مجھے اپنے سینئرز کی ایک مسلسل خاموش مخالفت کا سامنا رہا کرتا تھا مگر وہ میری اور میرے ماتحت اسٹاف کی اچھی کارکردگی دیکھ کر کوئی اقدام کرنے سے قاصر تھے. اسی زمانے میں ایک نوجوان لڑکی نے کمپنی جوائن کی جو دیکھتے ہی دیکھتے سب مینجرز کیلئے دردسر بن گئی. اس لڑکی کا معاملہ سمجھ سے باہر تھا، وہ کسی بھی کام کو ٹھیک سے انجام نہ دے پاتی۔ یہ لڑکی ذہنی بیمار لگتی تھی۔ اچانک رونے لگتی اور ہر دوسرے دن بیہوش ہو جاتی۔ اس لڑکی کو ہر مینجر کے پاس ایک کے بعد ایک منتقل کیا گیا کہ شائد کسی ڈپارٹمنٹ میں چل سکے۔ ہر مینجر اس پر اپنے طریق سے سختی برتتا مگر نتیجہ میں اس کی حالت مزید بدتر ہوتی جاتی۔ اس لڑکی کو برطانوی قانون کے مطابق صرف کم پرفارمنس یا خراب صحت کی وجہ سے نکالا نہ جاسکتا تھا لہٰذا اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہائر مینجمنٹ کیلئے معرکہ بنا ہوا تھا۔ پھر ایک روز مینجرز کی ایک ہنگامی میٹنگ بلائی گئی جس میں مجھے بتایا گیا کہ اس لڑکی کو میرے ڈپارٹمنٹ میں منتقل کیا جارہا ہے ، جہاں اسے باقاعدہ ایک منظم انداز سے جاب سے نکالنے کا بندوبست کیا جائے گا۔ اسے قانونی زبان میں "Constructive Dismissal " کہا جاتا ہے۔ اب چونکہ میرے ڈپارٹمنٹ میں پیسوں کا حساب کتاب اور گاہکوں سے پیسہ لینا بھی شامل تھا جو نہایت تیزی کے ساتھ نمٹانا ہوتا ہے لہٰذا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ لڑکی وہاں خاطر خواہ کارکردگی دکھا پاتی۔ اسٹور میں اعلان کر دیا گیا کہ اس مہینہ

کمپیوٹر ریکارڈ کے ذریعے تمام کیش کاؤنٹرز کی کارکردگی کا حساب رکھا جائے گا اور اگر کوئی کمپنی گائیڈ لائن کی کم از کم رفتار سے مطابقت نہ رکھے گا تو اس کے خلاف ڈسپلنری ایکشن لیا جائے گا جو برطرفی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔

اس سب مخفی انتظام کے بعد لڑکی کو میرے ڈپارٹمنٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ پہلے ہی دن وہ لڑکی حسب معمول بیہوش ہو گئی۔ اب بطور انچارج مجھے اس صورتحال کو سنبھالنا تھا۔ لڑکی کے ہوش میں آتے ہی اسے میں نے آفس روم میں طلب کر لیا۔ وہ سہمی کانپتی اپنے مردہ حد تک زرد سفید چہرہ لئے آفس میں داخل ہوئی۔ میں نے اس کا تپاک سے استقبال کیا اور بیٹھنے کو کہا۔ اس نے گھبرا کر میری جانب دیکھا، اسے پوری امید تھی کہ اب ہمیشہ کی طرح اسے ذلیل کیا جائے گا مگر میرا نرم اور نارمل لہجہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میں نے اس کی خیریت دریافت کر کے پوچھا کہ کیا وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے؟ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے نفی میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر میں نے یہاں وہاں کی ہلکی پھلکی باتیں کر کے اسے مسکرا کر جانے دیا۔ اب میں نے اس کو قریب سے جاننے والی اس کی ایک سہیلی کو بلوایا اور اسے اعتماد میں لینے کے بعد پوچھا کہ کیا وجہ ہے جو یہ لڑکی ہر وقت روتی رہتی ہے، شدید بیمار لگتی ہے اور بیہوش ہو جاتی ہے؟ اس نے جھجھک کے ساتھ مجھے بتایا کہ کچھ ماہ پہلے اس کے بوائے فرینڈ نے اسے سالوں ساتھ رکھنے کے بعد چھوڑ دیا ہے۔ ان سالوں میں اس خبیث انسان نے اس لڑکی کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ ایک نہایت بدصورت اور ناکارہ انسان ہے۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے سالوں بعد اب یہ لڑکی اپنے ناکارہ ہونے پر سو فیصد یقین کر چکی تھی اور نتیجہ یہ کہ خود اعتمادی کے شدید فقدان کا شکار تھی۔ اس دن میں سارا وقت اس معصوم لڑکی کے کیس کے بارے میں سوچتا رہا۔

اگلے روز میں نے اسے کیش ہینڈل کرنے کی بجائے ایک آسان سا پانچ منٹ کا کام دیا۔ یہ کام اس نے آدھے گھنٹے بعد مکمل کیا اور ڈرتے ڈرتے مجھے معائینہ کیلئے بلایا۔ کام اتنی دیر بعد بھی ٹھیک سے نہیں ہوا تھا، مگر میں نے خوب دیکھ کر اسے زوردار آواز میں شاباشی دی۔ جلدی سے آواز لگا کر دو مزید ماتحت اسٹاف ممبرز کو بلایا اور کام دکھاتے ہوئے ان سے کہا کہ دیکھو کم وقت میں بہترین کام ایسے ہوتا ہے!، اس لڑکی کے چہرے پر حیرت کی آبشار بہہ رہی تھی۔ اسے کسی معمولی ترین درجہ میں بھی امید نہ تھی کہ کوئی اس کے کام سے اتنا خوش ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے پھر دوسرا کام دیا، جو اس نے پہلے سے کم وقت میں بہتر طریقے سے کر دکھایا۔ میں نے پھر زبردست تعریف کرتے ہوئے اپنی خوشی ظاہر کی اور کہا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے جو اتنی ہارڈ ورکنگ یعنی سخت کام کرنے والی لڑکی نے میرا ڈپارٹمنٹ جوائن کیا۔ باقی سارا دن میں نے دیکھا کہ وہ ہنس رہی ہے، مسکرا رہی ہے اور بھاگ بھاگ کے دوسرا کام مانگنے آجاتی ہے۔ اس دن کے بعد یہ لڑکی خوب دلجمعی کے ساتھ کام کرنے لگی۔ مینجرز حیران تھے کہ میں نے اب تک اس لڑکی کی شکایت کیوں نہیں کی؟ مگر میں نے نہ اس کی برائی میں کچھ کہا اور نہ ہی اس کی کوئی تعریف کی بلکہ خاموشی سے اس کا غیر محسوس انداز میں حوصلہ بڑھاتا رہا۔ اللہ اللہ کر کے پورا مہینہ گزر گیا اور وہ دن آگیا جب کمپیوٹر رپورٹ نکالی گئی۔ فیصلہ یہ ہونا تھا کہ جو سب سے سست ہو گا اسے نکال دیا جائے گا اور مینجرز کو کامل یقین تھا کہ یہ سست ترین وہی لڑکی ہو گی۔ مگر جب رپورٹ آئی تو مینجرز سمیت پورے اسٹور میں ہنگامہ مچ گیا۔ وہ لڑکی سب سے زیادہ تیز رفتار ثابت ہوئی۔ میرا باس یہ یقین نہیں کر پا رہا تھا تو اس نے دوبارہ ایک الگ انداز سے رپورٹ نکالی اور وہی نتیجہ دیکھ کر دانتوں تلے انگلی داب لی۔ اس لڑکی کو تیز رفتار ترین آپریٹر کا ایوارڈ دیا گیا۔ جسے پا کر وہ ایک بار پھر رو دی مگر اس بار یہ آنسو دکھ نہیں خوشی کی علامت تھے۔ مجھے اللہ پاک نے ایک بڑی سیکھ دی تھی کہ اس جہان میں ہر انسان قیمتی ہے اور کسی سے کم نہیں۔ بس بعض اوقات اسے ہمارے سہارے اور ذرا سی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِسرا ایجوکیشن

کورس کا نام: مرضِ عشق سے نجات کیسے حاصل کریں؟

محبت میں بے جا اضافہ ایک مرض ہے جسے مرضِ عشق یعنی Lovesickness کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں انسان بہت دل شکستہ و دل گیر محسوس کرتا ہے۔ اس کا دل بیٹھا بیٹھا جاتا ہے، کسی کام میں دل نہیں لگتا، بھوک پیاس ختم ہو جاتی ہے، نیند اڑ جاتی ہے، کسی سے ملنے کا جی نہیں چاہتا اور انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ یہ کیفیت اس وقت شدید تر ہو جاتی ہے جب محبوب نے دھوکا دے دیا ہو یا محبوب نے التفات ہی نہ کیا ہو۔ یہ کورس ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو اس مرض محبت میں گرفتار ہیں اور ان کی محبت یا تو ناکام ہو چکی یا اس کا ناکام ہونا مقدر بن چکا۔ ایسے لوگ اگر اس غم اور مرض سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ کورس اس مقصد کے حصول کے لیے ایک واضح پلان پیش کرتا ہے۔

اس کورس کے مقاصد ہیں:

- جائز اور ناجائز محبت کا فرق سمجھنا
- محبت کی حدود پہچاننا
- مرضِ عشق سے واقفیت حاصل کرنا
- مرضِ عشق کا علاج کرنا

مشق نما اسائنمنٹ: کیا آپ کو معلوم ہے؟

- محبت میں بے جا اضافہ کس مرض کی نشاندہی کرتا ہے؟
- مرضِ عشق میں مبتلا اشخاص کونسی مہلک بیماریوں کا شکار ہو سکتے ہیں؟
- جسمانی ایکٹیویٹیز دماغی طور پر کس طرح فائدہ پہنچاتی ہیں؟
- مرضِ عشق کا علاج کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

فیس: کوئی فیس نہیں

کورس میں انرول ہونے کے لیے وِزٹ کیجیے:

www.iisra.net

اظہارِ محبت

انتخاب از: نجم الحسن (ڈی۔جی۔خان)

مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ہمارے پاس محبتوں کے اظہار کے لیے الفاظ کیوں کم ہیں؟ شاید اس لیے کہ میرے لیے آپ پر تنقید کرنا بہت آسان ہے۔ اور مجھے اس میں اپنے نفس پر کچھ زور نہیں ڈالنا پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر میں آپ سے کہنا چاہوں کہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں اور آپ کی فلاں عادت تو مجھے بڑی محبوب ہے اور یہ کہ آپ میرے دل میں بہت خاص مقام رکھتے ہیں تو یہ سب کہنے کے لیے میرے پاس اولاً تو الفاظ ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو نفس پر اتنا بوجھ اور گھٹن آ پڑے گی کہ میں خود بخود اس ارادے سے دستبردار ہو جاؤں گی۔

پیارے نبی ﷺ خود ہمیں محبت کا اظہار کرنا سکھا کر گئے۔ جب ایک صاحب سامنے سے گزرے اور آپ ﷺ کے صحابی نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ شخص مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فوراً انہیں کہا کہ جاؤ اور ان صاحب کو یہ بات بتا کر آؤ۔ پیارے نبی ﷺ اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کس کس انداز میں محبت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کبھی ان کو ستاروں سے تشبیہ دیتے کہ میرے صحابہ تو ستاروں کی مانند ہیں۔ کبھی فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ کبھی آپ ﷺ نے کہا کہ جو میرے صحابہ سے پیار کرے گا وہ گویا خود مجھ سے پیار کرے گا۔ کیا ہی زبردست اظہار محبت ہے! یہ ایسے ہی ہے جیسے میں اپنے بہت عزیز سے یہ کہوں کہ بھئی آپ تو اتنے اچھے ہیں اتنے پیارے ہیں کہ جو آپ سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا۔ بیشتر احادیث میں آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو "میرے صحابہ" کہہ کر پکارا۔ جیسے ہم اپنے بچوں کو میرا بیٹا کہہ کر پکاریں یا اپنے شاگردوں کو میرے شاگرد کہہ کر پکاریں تو یہ کتنا محبت بھرا انداز ہے۔ کتنا خوبصورت کلام ہے۔

اظہارِ محبت کیوں ضروری ہے؟ اس لیے کہ یہ آپ میں اور مجھ میں ایک توانائی بھر دیتا ہے۔ ایک جذبہ اور ایک احساس کہ ہاں ہم اہم ہیں کسی کے لیے۔ ہم بہت ضروری ہیں کسی کے لیے۔ کوئی ہے جو ہمیں اپنے دل میں رکھتا ہے۔ اور یہ احساس بڑا جادوئی احساس ہے۔ یہ کسی بھی انرجی فوڈ سے زیادہ انرجی آپ کے اندر بھر سکتا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں جب میں نے مولانا طارق جمیل کو "یا عبادی الذین اسرفوا انفسہم" کی تشریح کرتے سنا تو مجھے بہت اچھا لگا۔ مولانا نے فرمایا کہ یہاں اللہ نے ہم سب کو "اے میرے بندو" کہہ کر مخاطب کیا ہے اور اپنی لازوال و بے پناہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ یقین کریں مجھے اتنا اچھا لگا اور میرے اندر اللہ سے جو ایک تعلق تھا وہ سو فیصد بڑھ گیا جب میں نے یہ سوچا کہ میرے اللہ نے مجھے اپنا کہا ہے۔ میرے سے پیار کا اظہار کیا ہے۔

اشفاق احمد کہتے ہیں کہ میری نواسی کا بچہ باہر کوٹھی کے لان میں کھیل رہا تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ وہ باہر کھیل رہا ہے۔ میں اپنی نواسی سے بات کرتا رہا۔ اچانک دروازہ کھلا اور وہ بچہ مٹی میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں اور کپڑوں پر کیچڑ اور اس کے منہ پر چھنچھیاں (خراب منہ اور بہتی ناک) لگی ہوئی تھیں۔ وہ اندر آیا اور اس نے دونوں ہاتھ محبت سے اوپر اٹھا کر کہا۔ ''امی مجھے ایک جھپی اور ڈالیں۔ پہلی جپھی ختم ہو گئی ہے۔'' تو میری نواسی نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا باوصف اس کے کہ وہ بچہ باہر کھیلتا رہا ہو گا اور اس کے اندر وہ گرماہٹ اور حدت موجود رہی ہو گی جو اسے ایک جپھی نے عطا کی ہو گی اور جب اس نے محسوس کیا کہ مجھے اپنی بیٹری کو ری جارج کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جھٹ سے اندر آ گیا۔

آپ نے عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا واقعہ پڑھا ہو گا جب وہ ایک مرتبہ سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو وہاں موجود ایک بھنگی نے اپنے آپ کو دیوار کے ساتھ لگالیا اس خیال سے کہ آپ کے اجلے کپڑے اس کے ساتھ مس نہ ہو جائیں اور آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ لیکن وہ تو، سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ عاجزی اور بلند اخلاق کے پیکر۔ آپ رحمہ اللہ نے اسے یوں کھڑے دیکھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا اور کہا کہ تم بھی ہمارے بھائی ہو۔ اور اس سے بہت ہی محبت و شفقت کا اظہار فرمایا۔

شام کو وہ صاف کپڑے پہن کر آیا تو آپ نے اسے اپنی چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھایا اور اسے چائے پلائی۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ آیا اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ اور مسلمان ہو گیا۔ یہ اظہار محبت تھا۔ یہ اظہارِ تکریم و انسانیت تھا جس نے بظاہر معاشرے کی نظر میں گرے ہوئے انسان کو نبی کریم ﷺ کا امتی بنا دیا۔

میں سمجھتی ہوں کہ ہر ایک شخص کو کسی نہ کسی سطح پر محبت کے اظہار کی ضرورت ہے۔ آپ گھر میں اپنی امی جان کو دیکھیں۔ وہ سارا دن آپ کے کاموں میں الجھی رہتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے ان کی زندگی کا مقصد ہی آپ کی بہترین تربیت اور خوبصورت نشوونما ہو۔ لیکن اس کے بدلے میں ہم نے ان کو کیا دیا۔ ہم ان کے ہاتھ کے پکے ہوئے مزے مزے کے کھانے کھاتے ہیں۔ ان کے صاف کیے ہوئے کمرے میں پرسکون نیند سو جاتے ہیں۔ پھر صبح انہی کے دھوئے اور استری کیے ہوئے یونیفارم پینٹ شرٹ مفلر کوٹ وغیرہ پہن کر چلے جاتے ہیں۔ کیا ایک دفعہ بھی آپ نے پیچھے مڑ کر ان کو دیکھا؟ اور ان کو یہ کہنے کی کوشش کی کہ۔۔۔ ''امی جان! آپ بہت اچھی ہیں! آپ میرے لیے بہت محنت کرتی ہیں۔ اور آپ مجھے ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں۔'' اگر آپ ایسا کر لیں یقین کریں اب بہت سارے دنوں تک آپ کی امی جان کاموں کی زیادتی سے تھک نہیں سکیں گی نہ ہی برتنوں کا ڈھیر انہیں چڑچڑا کرے گا۔

آپ اپنے ابو جان کو دیکھیں۔ وہ کتنا تھکے ہوئے گھر آتے ہیں۔ اور پھر نیند پوری ہو یا نہ ہو صبح اٹھ کر پھر آفس چلے جاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے بھی کبھی ان کو اپنی چاہت کے اظہار سے خوش کیا؟ آپ صرف ایک بار یہ کہہ کر دیکھیں۔ ''ابو جان! آپ نے میرے لیے اتنی محنتیں کیں اتنی تکلیفیں اٹھائیں میں ساری زندگی آپ کا احسان نہیں چکا سکتا۔'' یہ کہہ کر آپ ان کے گرد بازو حمائل کر کے ان کی پیشانی پر بوسہ دیں۔ مجھے یقین ہے ان کی آنکھیں ایک پیاری سی روشنی سے چمک اٹھیں گی اور وہ مزید تازہ دم ہو جائیں گے۔ ان کی سب تھکاوٹیں بہت دنوں کے لیے دور بھاگ جائیں گی۔

میرے نبی پاک ﷺ بھی اپنے ربِ کریم کو بہت ہی زیادہ محبوب تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نہیں ننانوے نام دے دیے ہیں۔ وہ میرے رب

کے لیٰس ہیں۔ طٰہٰ ہیں۔ احمد ہیں۔ ماحی ہیں۔ عاقب ہیں۔ حاشر ہیں۔ اُمّی ہیں۔ ابو القاسم ہیں۔ کلیم اللہ۔۔ حسیب اللہ۔۔ نجیب اللہ۔۔ صفی اللہ۔۔ خاتم الانبیا۔۔ منصور۔۔ مصباح۔۔ حجازی۔۔ نزاری۔۔ نبی التوبہ۔۔ رسول الرحمۃ ﷺ!

ایک دفعہ میرے موبائل کا چارجر خراب ہو گیا تو جب تک نیا آتا میں نے اسٹور سے ایک پرانا چارجر نکال کر لگا لیا۔ بیٹری ڈاؤن تھی لیکن افسوس وہ چارجر اس کو پراپر چارجنگ نہ دے سکا اور اس دن میرا موبائل بار بار آف ہوتا رہا۔ اس سے میں نے بڑا سبق سیکھا۔ ہم سب کے اندر بھی بیٹری بڑے عرصے سے چارج نہیں ہو سکی ہے۔ اسی لیے ہم ذرا ذرا سے ایشو کو لے کر ہر پلیٹ فارم پر ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ ہمیں تھوڑی سی گڑبڑ پر غصہ آنے لگتا ہے اور ہم یکدم چڑچڑے ہونے لگتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسا اس لیے ہے کہ ہم نے ایک دوسرے کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری نہیں کی۔ محبت چاہت اور پیار کا اظہار۔ یہ بہت ضروری تھا ہمیں تازہ دم اور ہمارے رویوں کو خوبصورت رکھنے کے لیے۔ لیکن بہت عرصے سے ہم نے اس ضرورت کو یکسر نظر انداز کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ جی احساس اور محبت تو دل میں ہونا چاہیے۔ کہنے کی ضرورت کیا ہے۔

آپ میں سے کسی کے شوہر بہت دنوں سے اندر سے اداس ہیں اگرچہ وہ ظاہر نہیں کر پاتے۔ صرف اس لیے کہ آپ نے ان سے بہت دن ہو گئے اظہارِ محبت نہیں کیا۔ آپ نے ان کو بتایا نہیں آپ ان کو کتنا چاہتی ہیں اور آپ ان سے کتنا پیار کرتی ہیں۔ آپ کو ان کا لایا ہوا فلاں سوٹ کتنا پسند آیا اور جب آپ شہر سے باہر جاتے ہیں تو وہ آپ کو کتنا مس کرتی ہیں۔

آپ میں کسی کی وائف بہت دیر سے اس انتظار میں ہیں کہ کئی دنوں سے آپ نے انہیں سراہا نہیں۔ ان سے چاہت کا اظہار نہیں کیا۔ پلیز جلدی جائیے اور ان کو بتائیے کہ ان کے علاوہ کوئی اور اتنا اچھا آپ کا گھر نہیں سنبھال سکتا اور یہ کہ آپ ان کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتے۔

جو استاذ آپ کو روز صبح سویرے آکر اپنا بہت سارا آرام اور نیند قربان کر کے اتنی جانفشانی سے آپ کو پڑھاتے ہیں ان کے لیے ایک خوبصوت کارڈ خریدیے اور ان کو بتائیے کہ آپ کو ان کے پڑھانے کا طریقہ کتنا پسند آیا اور یہ کہ آپ کی زندگی میں ان کی رہنمائی سے کتنی اچھی تبدیلیاں آئیں۔ جس فیس بک پیج کی پوسٹس آپ کو اچھی لگتی ہیں اس کو فوراً میسج کیجیے کہ آپ کی پوسٹس میرے لیے بڑی فائدہ مند ہیں اور مجھے بے حد پسند ہیں۔ جس صحافی کا کالم آپ کو اچھا لگتا ہے اس کو ضرور پیغام بھجوائیے کہ آپ کا فلاں کالم مجھے بہت پسند آیا برائے مہربانی کبھی لکھنا مت چھوڑیے۔ یاد رکھیں! اظہارِ محبت صرف اوروں کو توانائی نہیں دیتا خود آپ کے دل کا آئینہ بھی شفاف ہونے لگتا ہے۔ بس غلط فہمیوں کے کانٹے اگنے سے پہلے اظہارِ محبت کرنا شروع کریں۔

ایسا نہ ہو دیر ہو جائے!

محبت سب سے، اعتماد چند پر اور برا کسی کے ساتھ نہ کرو ہر اس ذات، بات اور شے سے محبت کرو جس کا دوسروں کو بتانے یا دوسروں کے جان جانے پر آپ کو شرمندگی نہ ہو. آج لسٹ بنائیے کہ اس معیار پر کون کون پورا اترتا ہے۔

حاصلِ محبت

از: حافظ محمد شارق (کراچی)

محبت کیا ہے؟ کیوں ہوتی ہے؟ کیا یہ ناجائز ہے؟ ایسے بے تحاشا سوالات سوئے عقل نمودار ہوتے ہیں جن کے جواب نہیں ملتے۔ قلب ہلکے سے نور سے بھی لبریز ہو تو انسان لاعلمی میں "مجاہدے" کی راہ اپناتا ہے اور یہی قلب زنگ آلود ہو تو پھر اس شتر بے لگام کو کوئی نہیں روک نہیں پاتا۔ ہر دو راہیں سامنے کھلی ہیں اور کسی ایک میں سے اسے لامحالہ داخل ہونا ہے کیونکہ محبت تو اسے ہو کر ہی رہنی ہے۔ یہ تو قرآن کا اعلان ہے کہ محبت کا احساس انسان کی فطرت میں خود اس کے پروردگار نے ودیعت کیا ہے اور وہ اس جذبے سے سرشار ہو کر رہے گا۔ اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بیشک اس (نظامِ تخلیق) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ (سورۃ الروم۔ آیت 22) محبت انسان کی مجبوری ہے، اس کی فطرت ہے، اس کی آرزو بھی ہے اور اس کی جبلت بھی۔ اور یہ دنیا اس کی جبلت کا امتحان گاہ ہے۔ ایک صاحبِ ایمان شخص جو خدا کو مانتا ہے، اس پر یقین رکھتا ہے وہ اس جبلتی احساس کو بھی خدا کے آگے رکھ دیتا ہے۔ خدا کے ماننے والے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی کے سارے معاملات اسی کی ہدایات کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ خواہشات، احساسات، جذبات اور لگاؤ ہر ایک چیز اُس دائرے کے اندر رکھنے کے خواہاں ہوتے ہیں جو خدا نے مقرر کیا ہے۔ اس دائرے سے باہر جو کچھ ہے، خواہ کتنا ہی رنگین نظر آتا ہو، ایک صاحب ایمان کے لیے بدذائقہ اور بے رنگ ہے۔ بات محبت کی ہے تو یہ بے لگام اور بے قاعدہ نہیں، بلکہ اس محبت میں بھی معیار وہی ہو گا جو اس کے خالق نے اس کے لیے مقدر کیا ہے۔ عشق و جنوں کے سفر میں انسان اس معیار سے ایک بالشت بھی باہر آجائے تو خدا کی نگاہ میں معیوب بن جاتا ہے اور یہی محبت اگر خدا کی محبت کی پیروی میں ہو تو یہ حیات اخروی میں باعث اکرام بنا دیتی ہے۔ جامی کہتا ہے: متاب از عشق رد گرچہ مجازیست کہ آن بہر حقیقت کارساز یست یعنی عشق سے اعراض نہ کرو چاہے مجازی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ عشقِ حقیقی کی راہ دکھاتا ہے۔ سوال پھر اٹھتا ہے کہ یہ محبت کیسے عشق حقیقی منزل آسان کرتی ہے؟ پہلے ٹھہر کر یہ جانیے کہ کون سی محبت جائز ہے۔

ایک وہ محبت ہے جس کا مقصد جسم کی تسکین ہے۔ یہ انسان کے مادی وجود کا ایک مظہر ہے جو دائمی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ اس کا مقصد کسی مخصوص حسن و جمال کی لذت پانا ہے۔ اس کا منشاء لمس کا وقتی احساس ہے۔ اس کی زمام اپنے ہاتھ نہ لی جائے تو پھر انسان ایک جانور کی طرح اپنی شخصیت کے ساتھ ساتھ پورے ماحول کو بھی آلودہ کرتا ہے اور ایمان پھر کسی قابل ذکر درجے میں باقی نہیں رہتا۔ اس کا حل نکاح ہے جسے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف ایمان کی حفاظت کا سبب قرار دیا۔ پیارے رسول فرماتے ہیں کہ نوجوان ہوتے ہی نکاح کر لو اور جو قوت و قدرت نہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ اس جبلت کو کمزور کرتا ہے۔ اگر نکاح کے بعد بھی یہ حال ہے تو پھر وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جسے صوفیا مجاہدہ کہتے ہیں۔

ایک اور محبت وہ ہے جو کسی کے لیے ایک نامعلوم احساس ہوتا ہے۔ یہی وہ محبت ہے جہاں نفس کشمکش میں رہتا ہے۔ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ محبت نفس کی محبت ہے یا محض ایک لطیف احساس ہے۔ یہ محبت جنسی جذبات سے ماوراء نظر آتی ہے اور انسان کسی شخص کو دوسروں سے زیادہ چاہتا ہے۔ مخالف جنس سے یہ محبت اگر نکاح کے ذریعے تکمیل کو پہنچتی ہے تو اچھا، مگر یہاں چاہت اصلاً اس کے حصول کی ہوتی ہی نہیں۔ خواہش بس اس کی خوشی اور کامیابی کی ہوتی ہے۔ بس اسی کی تعمیر ہوتی ہے۔ ہمارا مطمع نظر اس کی مادی شخصیت نہیں بلکہ اس کی وہ صفات ہوتی ہیں جو خدا کے رنگ میں رنگین ہو۔ یہ محبت عشق بھی بن جائے تو اس کا مقصد حسنِ زیبا کے بجائے حسنِ روح رہتی ہے۔ پھر وہ شخص نہ بھی رہے تو وہ صفات اس کی محبت کو زندہ رکھتی ہیں۔ یہ وہ احساس یا وابستگی ہے جو ہمیں اپنی انا کو بکھیر کر مخلوق کی محبت سِکھا سکتی ہے۔ ہم جس سے محبت کے دعوے دار ہیں وہ محبت کون سی محبت ہے؟ دھوکے باز نفس ضرور یہ کہتا ہے کہ ہماری محبت تو جنس سے ماوراء ہے، ہماری محبت تو پاکیزہ ہے مگر اب ذرا اپنے دل کو ٹٹول لیں، محبوب آپ سے وابستگی نہیں چاہتا تو بھی آپ کی محبت "محبت" ہے یا بہانہ؟

* * * * * * * * * * * * * * * * * * *

ہر چیز حد میں

از: کاشف جانباز (کراچی)

ہر چیز حد میں اچھی لگتی ہے۔ اگر حد پار کی جائے تو اچھی چیز بھی بری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وقت کی اصل وقعت، اس کو اپنوں کے ساتھ گذارنے میں ہے نہ کہ فرضی لیلٰی مجنوں کے سراب میں گم گشتہ ہو کر اپنا آپ گنوا دینے میں۔ بگاڑ چاہے جتنا ہو اس میں سدھار کی امید ہمیشہ رہتی ہے۔ جو ہمارے روز و شب کی ترتیب بگڑ گئی ہے یہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ لیکن سیلف اسٹیم کو اس جنجال کے خلاف ابھارنا ہوگا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاں والدین ہی سوشل میڈیا پر گھنٹوں مصروف رہتے ہوں وہاں اولاد اس خرابے سے بچ جائے۔ ان میں سے اکثر اچھے مقصد کے لیے موجود ہوتے ہیں لیکن اس اچھے عمل کا کیا فائدہ جو آنے والی نئی نسل کے اچھے کردار پر منفی اثر ڈال دے؟ یہ بچوں سے بے اعتنائی، بے توجہی کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر انہیں مجازی پیار کی منہ زور آندھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہی وقت جو آج "میں" کے چکر میں تحلیل ہو رہا ہے اگر اسے اپنوں کو دیا جائے تو مستقبل میں بھی ٹھوس صورت اختیار کر کے معاشرے کو تشکیل دے گا وگرنہ اقدار و روایات کا خروج تو اب بھی ہو رہا ہے۔ اس کا تسلسل ہمیں مہر بند کر دے گا۔

محبت۔کیا، کیوں، کیسے؟

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل (کراچی)

سوشیالوجی کی کلاس میں آج کافی ہل چل تھی۔اس ہلچل کی وجہ آج کا موضوع تھا یعنی "محبت کیا، کیوں اور کیسے ہوتی ہے" پروفیسر کلاس میں داخل ہوئے تو دھما چوکڑی مچانے والے لڑکے لڑکیاں اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔

پروفیسر ادریس نے اپنا موٹا چشمہ سنبھالا اور کلاس کا آغاز کیا:

"ہاں تو میاں فراز! یہ بتائیے کہ محبت کیوں ہوتی ہے؟"

فراز میاں بغلیں جھانکنے لگے۔ انھوں سے سوچا ہی نہ تھا کہ آتے ہی یہ حساس سوال ان پر داغ دیا جائے گا۔ پروفیسر نے ان کی بے چارگی کو بھانپتے ہوئے پینترا بدلا اور بولے:

اچھا یہ بتا دیجے کہ محبت کس سے ہوتی ہے؟

اب فراز میاں کی جان میں جان آئی اور وہ گویا ہوئے:

جی سب سے زیادہ محبت تو ماں سے ہوتی ہے۔ پھر باپ ، اولاد ، بھائی ،بہن اور دیگر لوگوں سے ہوتی ہے۔ "ہمم"۔پروفیسر نے ایک تائید کی۔اچانک پروفیسر کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے کو ٹانگ مار کر تنگ کر رہی تھی اور لڑکا بے زاری کا اظہار کر رہا تھا۔پروفیسر ان کو دیکھ کر گویا ہوئے:

محترمہ ! آپ ان کو ایک دفعہ ہی بھرپور لات ہی ماردیں تاکہ قصہ تمام ہو اور آپ پڑھائی کی جانب راغب ہوسکیں۔ کلاس میں قہقہے گونجنے لگے اور لڑکی بری طرح جھینپ گئی۔

توجناب! جیسا کہ فراز نے بتایا کہ محبت کئی لوگوں سے ہوتی ہے۔ لیکن وہ محبت جو ایک مرد وعورت کے درمیان ہوتی ہے، ہم آج اس پر بات کررہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس محبت کے کیا مراحل ہیں اور یہ محبت کیوں ہوتی ہے؟ آخر ایسی کیا خاص بات ہے کہ یہ لوگوں کو دیوانہ اور مجنوں بنادیتی ہے، کیا مسئلہ ہے کہ راتوں کو نیند نہیں آتی، انسان دھوپ میں کھڑے کھڑے محبوب کا منتظر رہتا ہے۔

پروفیسر نے سوالیہ انداز میں طلبا کو دیکھا۔

سب سے پہلا سوال کہ محبت کیسے ہوتی ہے؟ سادہ سی بات یہ ہے کہ یہ جنس مخالف میں کشش قدرت نے رکھی ہے تاکہ انسانی نسل کا تسلسل جاری رہے۔ لیکن ایک مرد یا عورت ہر مخالف جنس کے فرد سے جنسی طور پر متاثر نہیں ہوتا۔ ہمیں محبوب کی کوئی خاص صفت پسند آجاتی ہے جیسے اس کا چہرہ، بات چیت کا انداز، اس کا ہمدردانہ رویہ یا کچھ اور۔ یہ پہلا اسٹیج متاثر ہونے کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب ہمارا اس شخصیت کے ساتھ انٹرایکشن بڑھتا ہے تو یہ متاثر ہونے کا عمل بار بار ہوتا رہتا ہے۔ اس کی بنا پر ہمارا دماغ کچھ ہارمونز خارج کرتا ہے۔ جس سے ہمیں اپنے محبوب میں بے انتہا کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کشش میں ایک بے چینی، اضطراب، پریشانی لیکن ایک میٹھا سا احساس ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر انسان اس محبوب کو حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگادیتا ہے۔

پروفیسر صاحب نے اپنا لمبا خطبہ ختم کیا اور پانی پینے لگ گئے۔ کلاس کے لڑکے اور لڑکیاں دلچسپی سے لیکچر سن رہے تھے ۔ باقی باتیں بجائے اس کے میں لیکچر میں بتاؤں، آپ لوگ سوالات کرلیں تو زیادہ بہتر ہے۔ پروفیسر نے کہا۔

سر ! ایسا کیوں ہوتا ہے کہ محبوب کو دیکھ کر پسینے آنے لگ جاتے ہیں، حلق خشک ہوجاتا ہے اور دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے ؟ بھئی سلمان میاں! آپ کی تو اس وقت بھی یہی حالت ہے۔ بہرحال! اس کی وجہ ایڈرنالین(Adrenaline) ہارمون کا خون میں اضافہ ہے اور یہ محبت کے ابتدائی دنوں میں ہوتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اس کے چھننے، نہ ملنے یا ٹھکرائے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ اس خوف اور رسک کی بنا پر ایڈرنالین خون میں بڑھ جاتا ہے جس کی زیادتی کی بنا پر ہارٹ بیٹ تیز ہوجاتی، پسینہ آتا اور حلق خشک ہوجاتا ہے۔ سر کہتے ہیں محبت ایک نشہ ہے۔

درست کہتے ہیں۔ محبت کرنے والوں کے دماغ سے ایک ہارمون خارج ہوتا ہے جس کا نام ہے سیروٹونین (Serotonin)۔ اس کی بنا پر محبت کرنے والا شخص اپنے محبوب کے خیالوں ہی میں کھویا رہتا ہے۔ اسے اپنے محبوب کی بری بات بھی اچھی لگتی، برائی میں اچھائی نظر آتی اور وہ ایک عام سے شخص کو محبوب بنا کر اسے پوجنے لگ جاتا ہے۔ وہ کالی لیلی کو بھی دنیا کی حسین ترین عورت سمجھتا ہے۔ اسی کے ساتھ ڈوپامین (Dopamine) کا اثر دماغ پر وہی ہوتا ہے جو کوکین کے نشے کا ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اس کیفیت سے باہر نکلتا ہے تو یہ نشہ ہرن ہوجاتا اور وہی محبوب اسے بعض اوقات دو کوڑی کا لگنے لگ جاتا ہے۔

سر! سنا ہے محبت اندھی ہوتی ہے؟ ایک لڑکی نے پوچھا۔

جی محترمہ محبت اندھی ہی نہیں بلکہ گونگی بہری بھی ہوتی ہے۔ نہ کچھ نظر آتا ہے نہ سنا جاتا ہے نہ بولا جاتا ہے۔ بس بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے۔ لیکن جب محبوب مل جاتا ہے تو سب کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ پھر اس میں وہ کیڑے نظر آتے ہیں جو محبت کے اندھے پن کی بنا پر اوجھل ہو گئے تھے۔

سر! محبوب کے مل جانے کے بعد اس کی قدر کیوں کم ہونے لگتی ہے؟

دیکھیں اس کی دو وجوہات ہیں۔ جب تک محبوب حاصل نہیں ہوتا تو عاشق اس کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اس کا بنیادی سبب انا ہوتی ہے۔ وہ خود کو منوانا چاہتا ہے، وہ محبوب کو فتح کرنا چاہتا ہے، محبوب کو حاصل نہ کرنے میں اس کی شکست ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ فتح حاصل کر لیتا ہے تو یہ چیلنج ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کی انا کی تسکین ہو گئی اور فتح کا یہ نشہ بھی جلد اتر جاتا ہے۔

ایک اور وجہ تقلیل فائدہ کا قانون ہے۔ اس کے تحت ہم کسی چیز کو جتنا زیادہ استعمال کرتے ہیں، اس سے حاصل ہونے والا فائدہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یعنی جو چیز انسان کو مل جاتی ہے اس کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ محبوب کا بھی ہے۔ جب محبوب حاصل ہو جاتا ہے اور اس سے انٹرایکشن بڑھنے لگتا ہے تو اس قانون کے اطلاق کے بعد محبت کا نشہ اترنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبوبہ جب بیوی بنتی ہے تو کچھ لوگوں کی نظر میں یہ حور سے ڈائن بننے کا عمل ہوتا ہے۔

کلاس میں قہقہے لگنے لگے۔

سر! واقعی، محبوبہ جب بیوی بنتی ہے تو جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور کویل کے کوکنے کی آواز اب زہر معلوم ہوتی ہے۔ اس کا کیا علاج ہے سر؟ نیاز نے سوال کیا۔

بھئی نیاز! تمہاری شادی اتنی پرانی تو نہیں۔ لگتا ہے تم پر تقلیل کا قانون کچھ جلدی ہی اپلائی ہو گیا۔ خیر۔ دیکھو ہمیں نئے حالات میں خود کو ایڈجسٹ کرنا چاہئے۔ نکاح سے پہلے کی محبت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ محبوب کو پا لیا جائے۔ چنانچہ ہارمونز اور نفسیات دونوں اسی مقصد کی جانب لے کر جاتی ہیں۔ اسی لئے تعلقات میں ولولہ، گرمجوشی، جذباتیت، پانے کی شدید خواہش سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن نکاح کے بعد مقاصد بدل جاتے ہیں۔ اور اب مقصد ہوتا ہے خاندان کی تشکیل سے انسانی بقا کو یقینی بنانا۔ اب جوش و ولولے کی نہیں ہوش، دھیمے پن اور ٹھہراؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس تعلق میں اب محبت کی شکل جوش و ولولے سے تبدیل ہو کر گہری انسیت اور قربانی کے جذبے میں ڈھل جاتی ہے۔ جو لوگ اس تبدیلی کو سمجھ نہیں پاتے وہ اپنے محبوب سے نکاح کے بعد بھی اسی ولولے کی توقع رکھتے ہیں اور جب انہیں وہ نہیں ملتا تو حور ڈائن اور شوہر لنگور لگنے لگتا ہے۔ پھر فلسفی اس قسم کے مقولے لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ میاں اور بیوی کا اظہار عشق کرنا ایسا ہی ہے جیسے شکاریوں کا پالتو بکری کو شکار کرنا۔

ابھی کھی کھی کھی کلاس میں جاری ہی تھی کہ پروفیسر نے اچانک فرہاد کی جانب اشارہ کر کے کہا:

ہاں بھئی فرہاد! کیا تمہیں ان باتوں سے اختلاف ہے؟

جی سر! آپ تو یہ ساری باتیں اس طرح کر رہے ہیں جیسے یہ سارا کام کیمکلز کا ہے اور انسان مجبور محض ہے یعنی وہ کچھ نہیں کر سکتا؟

بالکل درست اعتراض ہے تمہارا! اور یہ اعتراض فرہاد ہی کر سکتا تھا کیونکہ وہی نہر کھودتے کھودتے تنگ آچکا اور اس مصیبت سے نجات پانا چاہتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر مسکراہٹیں کلاس میں بکھر گئیں۔ لیکن شاید فرہاد کو یہ سب برا لگا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا:

سر! کیا آپ نے کبھی محبت کی ہے؟

کلاس میں سناٹا چھاگیا کیونکہ کوئی اس قسم کا بلنٹ سوال نہیں کرسکتا تھا۔ پروفیسر نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولے۔ بھئی ہم تو مشتاق احمد یوسفی کے اس مقولے کو جانتے ہیں کہ بس محبت کا سچا ہونا شرط ہے، البتہ وہ ایک سے زائد بار بھی ہوسکتی ہے۔ ہاہاہا پروفیسر نے قہقہے کے ذریعے اپنی جھینپ مٹائی اور گویا ہوئے۔

تو میرے عزیز فرزندو! فرہاد نے درست بات کہی تھی کہ اس طرح تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ انسان مجبور محض ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ دراصل ابھی تو ہم نے محبت کی سائنسی و نفسیاتی وجوہات کو سمجھا کہ یہ پراسیس کس طرح کام کرتا ہے۔ اب ہم اس پر بات کریں گے کہ انسان اس پراسیس کو کس طرح کنٹرول کر سکتا ہے۔

مانا کہ ہماری باڈی میں کیمیائی تبدیلیوں کی بنا پر یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن اس کی بنا پر وہ مجبور نہیں۔ یہ کیمیکل خود بخود خارج ہو کر ہمارے عمل کو کنٹرول نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارے کسی عمل یا سوچ کی وجہ سے ان کا اخراج ہوتا ہے۔ ہم بہت حد تک اپنی محبت اور دیوانہ پن کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیاوی عدالتیں محبت کے نام پر ہونے والے تمام جرائم کو ایک کیمیکل ری ایکشن یا پاگل پن سمجھ کر قابل معافی قرار دے دیتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اگر ہم اصل حقیقت جان جائیں تو محبت کے نام پر پیدا ہونے والے احساسات کو قابو کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ سر! کیا محبت کرنا جرم ہے؟ ایک لڑکی نے سوال کیا۔

بہت خوب محترمہ! ویسے یہ علمی سے زیادہ فلمی سوال ہے۔ ظاہر ہے کسی لڑکی یا لڑکے کا ایک دوسرے کو نکاح کی غرض سے چاہنا اپنی اصل میں تو جرم نہیں۔ البتہ کچھ حالات و قرائن اس عمل کو جرم بھی بنا سکتے ہیں۔ جیسے کوئی چودھری صاحب کی بیگم ہی کو چاہنے لگ جائے یا سوسائٹی کے جائز مسلمہ اصولوں سے بغاوت پر اتر آئے۔ اسی طرح لڑکے اور لڑکی کا نکاح کے مقصد کے بغیر ایک دوسرے کو چاہنا تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔ ہاں پلاٹونک محبت کی بات دوسری ہے لیکن ایسی محبت شاذ و نادر ہی موجود ہوتی ہے اور کم از کم ینگ ایج میں تو بالکل نہیں ہوتی۔ سر! محبت کرنے والوں کو کن اخلاقی حدود کا پابند ہونا چاہیئے۔

ہاہاہا۔ دیکھیں، محبت تو ویسے ہی مادر پدر آزاد ہوتی ہے تو اخلاقی حدود چہ معنی دارد! لیکن بہر حال سوال بہت اچھا ہے۔ محبت کے لئے سو نفرتیں مول لینا، ماں باپ کو ایذا پہنچانا، چوری چھپے آشنائیاں کرنا، اپنے قریبی اعزا کو ناروا تکلیف دینا اور انکی عزت داؤ پر لگانا، گھر سے بھاگ جانا، گھنٹوں فون اور نیٹ پر چیٹ کر کے فرائض سے غافل رہنا وغیرہ وہ عمومی گناہ ہیں جو سرزد ہو جاتے ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سر، کہتے ہیں محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے اور اس کی کوئی اخلاقیات نہیں ہوتی۔

کون کہتا ہے یہ؟ جو یہ کہتا ہے اگر اس کی بیٹی یا بیوی سے عشق لڑا کر سب کچھ جائز کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ خود ہی اس بیان سے دست بردار ہو کر

اس کے خلاف کھڑا ہو جائے گا۔ دراصل انسان تمام برے ضابطے اپنے غلط عمل کی توجیہہ کرنے کے لئے بناتا ہے لیکن جب بازی پلٹتی ہے تو سب بھول جاتا ہے۔

سر! ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ محبت دائمی ہے یا وقتی؟

اس کا سادہ جواب تو یہ ہے آزمائش شرط ہے کیونکہ آج تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو اس بات کا پتا دے سکے۔ لیکن عام طور پر ٹین ایجز میں کی گئی محبتیں وقتی ابال اور فلموں سے متاثر ہو کر ہوتی ہیں۔ کم عمری میں انسان ناتجربہ کار ہوتا ہے اور اسے نتائج کا علم نہیں ہوتا۔ اسی لئے معاشرے کو تنبیہ کو ایک ولن کے طور پر لیتا اور اس کی نصیحت کو بے کار بات سمجھتا ہے۔ البتہ سچی محبت کی ایک پہچان یہ ہے کہ آپ اپنے محبوب کی خوشی میں خوش ہوں حتیٰ کہ اگر وہ آپ سے قطع تعلق کرنے میں خوش ہے تو آپ اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے پیچھے ہٹ جائیں۔ یہیں علم ہو گا کہ آپ محبت اپنی انا کی تسکین کے لئے نہیں کر رہے۔

سر! جیسا کہ شاعر نے کہا کہ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب۔۔۔۔۔۔۔ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے۔ تو یہ بتائیے کہ اگر ہمارا محبوب سے نکاح کرنا ممکن یا موزوں نہیں تو پھر اس کے خیالوں پر کس طرح قابو کیا جائے؟

دیکھیں! ہماری عقل بادشاہ ہے جو سب کو قابو میں رکھ سکتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ہم اس بادشاہ کو جذبات کا غلام بنا لیتے ہیں۔ اگر محبت میں جذبات بے قابو ہو جائیں تو کئی کام کرنے ہوں گے۔ ایک تو کیمکل کے اخراج کو قابو کرنا ہو گا۔ اس کے لئے سب سے پہلے محبوب سے رابطہ ختم یا کم سے کم کر دیں۔ ملنا جلنا، فون کالز، چیٹ، نیٹ پر رابطہ ختم کر دیں۔ جتنا آپ رابطہ کریں گے اتنا زیادہ آپ اس کے پاس لپکیں گے۔

لیکن سر یہی تو مشکل کام ہے۔ دل مجبور ہو جاتا ہے۔

نہیں ایسا نہیں بلکہ یہ خام خیالی ہے۔ دل مجبور نہیں ہوتا بلکہ ہم خود ہی ایسا کرنے پر کنونس نہیں ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم تہیہ کر لیں تو بس سب کچھ ہو سکتا ہے۔

ٹھیک ہے سر! اچھا محبوب سے رابطہ ختم کرنے کے ساتھ ساتھ اور کیا کیا جائے؟

اور یہ کیا جائے کہ تنہا نہ رہا جائے۔ کوئی فزیکل گیمز کھیلے جائیں، لوگوں سے ملا جلا جائے، باہر گھوما جائے کیونکہ یہ ہمارے کیمیائی عدم توازن کو درست کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انتظار کریں۔ ہر مرض کے ختم ہونے میں وقت لگتا ہے اور مرضِ محبت میں زیادہ وقت لگتا ہے۔ تو جناب! آج کا محبت بھرا لیکچر تمام ہوا۔ آپ میں سے جو لوگ محبت کرتے ہیں ان کے لئے دعا ہے کہ انہیں جلد عقل آجائے۔ عقل آنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خود سمجھا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شادی ہو جائے۔ اللہ آپ کو اس آسان راستے پر چلائے جو آپ کے لئے بہتر ہو۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

وجود پرست

از: سالک وٹو (پاکپتن)

حُسن کی کشش اور اثرات سے تو ہر انسان کسی نہ کسی عمر میں کسی نہ کسی حد تک ضرور متاثر ہوتا ہے کچھ احباب اسے مجازی محبت بھی کہتے ہیں ۔ لیکن میرے خیال میں مجازی محبت ایک وقت میں ایک ہی انسان سے ہوتی ہے اور شدید ہوتی ہے جس انسان کو ہر چمکتی چیز ہی سونا لگتی ہے وہ مجازی محبت کا مزاج نہیں رکھتا بلکہ اسے ہم حُسن پرست کہیں گے۔ حُسن پرستی کے حوالے سے بھی لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ قدرت کی بنائی ہوئی حَسین وادیوں کی کشش بھی حُسن پرستی ہی ہے لیکن میرے نزدیک حُسن پرستی انسانی حُسن سے ہی ہو گی اور قدرتی مناظر کی کشش کو اگر ہم فطرتی کشش کہہ لیں تو زیادہ موزوں ہو گا۔ حُسن پرستی اور مجازی محبت میرے نزدیک 2 الگ مزاج ہیں پہلے حُسن پرستی پہ بات کرتے ہیں۔ ایک حُسن پرست انسان میں یہ مزاج کئی وجوہات سے بنتا ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں: کسی انسان کے نقش و نگار کا دل پہ اثر کر جانا۔ کسی کی آواز کا روح کے تار بجا دینا- کسی کے وجود کے اتار چڑھاؤ کا ذہن میں ہلچل مچا دینا۔ کسی کے لچکدار انداز کا طلسم سر چڑھ کر بولنا- کسی کی بولتی آنکھوں کا دعوتِ قربت دینا- کسی کا اندازِ تکلم تو کسی کے ہونٹوں کی نرمی کا حال و بے حال کر دینا- کسی کی ہچکچاہٹ بھی متوجہ کر لیتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں جو کسی انسان میں حُسن پرستی کی توجہ کا باعث بن سکتی ہیں۔ اور حُسن پرست انسان ایک شہد کی مکھی کی طرح ہوتا ہے جو ہر حُسن کے پھول سے رس کشید کرتا ہے۔ اور ایک پھول سے دوسرے پھول تک کے سفر میں مشغول رہتا ہے۔ حُسن پرست جب کسی کی مجازی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی حُسن پرستی میں ایک ٹھہراو سا آجاتا ہے ایک انسان کی کشش اسے دَر دَر سے بچا لیتی ہے اور جو اوپر کچھ باتیں کی گئیں جن سے ایک انسان میں حُسن پرستی کی ابتدا ہوتی ہے مجازی محبت میں ان سب چیزوں کے ساتھ کسی کا کردار، اخلاق، صفات بھی کسی انسان کے دل میں مجازی محبت کا جزبہ پیدا کر سکتی ہیں لیکن میرے خیال کے مطابق ایک مجازی محبت والا انسان بھی زمانے اور حالات کے تھپیڑے کھا کے حُسن پرست بن جاتا ہے اور پھر حُسن پرستی کی آڑ میں وہ محبتوں کی سینچریاں بناتا جاتا ہے اور بہت ہی قلیل اور خوش قسمت لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مجازی محبت میں جب غم سے آشنا ہو جاتے ہیں تو اللہ سوہنا اپنے کسی بندے کے ذریعے انہیں غمِ حقیقی سے نواز دیتا ہے۔ اور وہ مجاز سے حقیقت کی راہ لیتے ہیں اور کچھ مجاز سے بھی حُسن پرستی میں آجاتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب نفس ان پہ غلبہ حاصل کرتا ہے اور وہ حُسن پرستی سے ایک ایسے تاریک گڑھے میں گرتے ہیں جہاں دنیا و آخرت کی رسوائیوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور وہ ہے وجود پرستی۔

سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور وہ ہے وجود پرستی۔ وجود پرستی میں انسان بس اپنے وجود کے نفسانی تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے اور اس کے لیے وہ بہت سے روپ بھی دھار لیتا ہے بلکہ میرے خیال میں ایک وجود پرست انسان ایک ایسا شکاری ہوتا ہے جو اپنے شکار کے حصول کے لیے کئی چہرے بدلتا رہتا ہے کبھی پارسائی کا چولا تو کبھی دولت کا ہتھیار۔ کبھی شہرت سے شکار کرتا ہے تو کبھی انسانی ہمدردی سے۔ کبھی اپنا بن کے پیار اور خوشامد سے تو کبھی پرایا بن کے سختی سے۔ ایسے سمجھیں کہ وہ شکار کی فطرت اور لگاؤ دیکھ کے اپنے پینترے بدلتا رہتا ہے۔ وجود پرست ایک طرح کا گِدھ ہوتا ہے جسے مردار میں ہی لذت ملتی ہے۔ اور وجود ہرست انسان جب شادی جیسے بندھن میں بندھ جاتا ہے تو بھی اس روش کو نہیں چھوڑتا حالانکہ اس کے پاس ایک جائز اور محبت والا رشتہ موجود ہے پھر بھی اپنے وجود کی تسکین کے لیے حلال کو چھوڑ کر حرام کی جستجو ترک نہیں کرتا۔ وہ اسی خیال میں رہتا ہے کہ ہر دفعہ اپنی وجودی لذت کی تسکین کے لیے کوئی نیا وجود میسر ہو۔ اور اگر اس کے لیے کوئی ظاہری اسباب میسر نہ بھی ہوں تو بھی وہ اپنے خیال میں دل کی سکرین پہ ہر نظر آنے والے وجود کو اپنی مرضی سے ڈھال لیتا ہے اور یہ خیالی زنا ہی انسان کا حیوانی روپ ہے۔ خیال کی ناپاکی وجود کی ناپاکی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ پاک ہمارے خیال کو حُسنِ خیال عطا فرمائے۔ خیال کا حُسن ہی کردار کو مثبت رکھتا ہے۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * * *

کاش مجھے بھی محبت ہو جائے------- از: عدیلہ کوکب (گجرات)

محبت جب انسان کے اندر ودیعت کرتی ہے تو اسے صوفی بنا دیتی ہے۔ انسان چاہے لاکھ بگڑا ہوا ہو یہ آہستہ آہستہ انسان میں سدھار لاے آتی ہے۔ ایک ترتیب سی آجاتی ہے انسان کے اندر۔ بہت عمدہ ترتیب آجاتی ہے انسان کی شخصیت میں۔ جیسے بہت خوبصورت باغ جس کا پودا پودا بہت ترتیب سے لگایا گیا ہو، مختلف پھولوں سے مزین کیا گیا ہو بالکل ایسے ہی محبت انسان کی شخصیت میں ترتیب لے آتی ہے خوبصورت و دلکش ترتیب۔ مگر یہی محبت توجہ مانگتی ہے، اپنے ہونے کا ادراک مانگتی ہے بالکل اس باغ کی طرح جسے پھلنے پھولنے اور خوبصورت رہنے کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح محبت کے لیے ادراک، احساس اور توجہ پانی اور کھاد سا کام کرتی ہے۔

مگر یار ڈائری! میں نے لڑکیوں کو ٹوٹتے دیکھا ہے اور سوچتی ہوں کاش ایسی محبت مجھے بھی ہو جائے میرے خدا سے۔ مگر مجھے نہ محبتِ مجازی ہوتی ہے نہ محبتِ حقیقی۔

سب میں ایک بات ہے کہ میں نے بہت نوٹ کی ہے اگر محب ان کلیوں کو اپنے سخت یا اگنورنگ والے رویئے سے توڑنے کی بجائے انہیں سمجھائے تو میرا خیال ہے کہ یہ سب محبت میں ٹوٹنے والی سمجھ سکتی ہیں۔ محب کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں نرم لہجے میں آرام سے سمجھائے۔ ہے نا؟؟ یہاں میں سوچتی ہوں کہ جیسے میرا اللہ ہے وہ مجھے کتنی نرمی سے سمجھاتا ہے سب کچھ قرآن پاک کے ذریعے کہیں بھی ڈانٹتا نہیں مجھے اگنور نہیں کرتا مجھے توجہ دیتا ہے سب سے زیادہ قریب رکھتا ہے تو یہی تو سچی محبت ہے اس کی۔ اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ کاش مجھے بھی ان سب کی طرح محبت ہو جائے میرے اکلوتے دوست سے تاکہ مجھے کسی دوست کی کمی کبھی محسوس ہی نہ ہو۔

اعتبار خواب بھی ہے۔ عذاب بھی ہے۔ خرد بھی ہے اور جنوں بھی۔ کبھی سراب کبھی حقیقت۔ کبھی پھولوں سا مہکتا احساس بخشتا کبھی کانٹوں کی مانند چبھتا ہوا۔

کبھی آنکھوں پہ پٹی باندھ کر اندھا گھومتا ہے۔ اور ٹھوکریں کھاتا ہے۔

کبھی شک اور بدگمانیوں کی تہہ میں اتنا مبہم نظر آتا ہے کہ بے اعتباری کے شیشے پہ آنسو روتا ہے۔

بدگمانیوں کی دُھوپ میں کسی صحرا کے زرد ٹیلوں پہ آبلہ پا، تشنہ لب در بہ در پھرتا ہے۔

اور کبھی جو یقین کی بارش سے سیراب ہو جائے تو نخلستان بن جاتا اور صحرا مہکا دیتا ہے۔

اس کی عدم موجودگی اُجاڑنے پہ آئے تو گھروں کے گھر اُجاڑ دے۔

وہ کسی شاعر نے کہا نا، کہ

شک کی زرد ٹہنی پہ

پھولِ بدگمانی

اس طرح سے کھلتے ہیں

زندگی سے پیارے بھی

اجنبی سے لگتے ہیں

اور جو اعتبار و بھروسے کی ڈور کہیں جڑ جائے تو شہر ناشناسا میں رہبر بھی مل جایا کرتے ہیں

کسی پہ اعتبار قائم کرنا اور اعتبار کرنا آج کل کے مادیت پرست، بے حس، مطلب پرست اور دین سے دُور معاشرے میں ہنر بھی ہے۔ اور شاید کسی حد تک بے وقوفی بھی۔

اور اگر کسی پہ یہ اعتبار و یقین قائم ہو بھی جائے تو اس کے مان و وقار کی حفاظت بے حد دُشوار ہونے کے باوجود فرض ہو جاتی ہے۔

مگر اعتبار ہے کیا۔ یہ سمجھنا بہت دُشوار ہے۔

اعتبار ایک رشتہ، ایک احساس، ایک تعلق کا نام ہے۔ ایک دوسرے کو تسلیم کئے جانے کا نام ہے۔

اعتبار کوئی ایسی توقع بھی نہیں جس میں غلطی یا نادانی کی گنجائش ہی نہ ہو۔ بلکہ یہ تو ایک دوسرے کی غلطیوں اور نادانیوں کے باوجود انہیں در گزر کرنے اور پھر بھی رشتے کی خوبصورت ڈور سے بندھے رہنے کا نام ہے۔ ایک عہد ہے ساتھ رہنے کا۔ ساتھ نبھانے کا۔

ایسا بھی نہیں کہ اعتبار کوئی آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی ہو جس کی جگمگاہٹ میں حقیقت نظر ہی نہ آتی ہو بلکہ یہ تو ایک مدھم مدھم میٹھی سی روشنی ہے۔ جو دیکھنا سکھاتی ہے۔ راستے بناتی ہے۔ اور آپ کو روشن کرتی چلی جاتی ہے۔

لیکن اعتبار بہر حال احتیاط کا متقاضی ہے۔
کسی شاعر نے کہا تھا، کہ

تلاشِ منزل کے مرحلوں پہ حادثہ یہ عجیب دیکھا
فریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے صورتِ اعتبار بن کر

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

محبوب کی یاد

اَز: عثمان حیدر

یادِ بتاں آذار کا باعث ھے
پھر کیا یہ بہتر نہیں ؟؟؟
کہ اس معبودِ برحق سے لو لگا لی جائے جو دور ہو کر بھی نزدیک ہے اور جس کی یاد آزار ہرگز نہیں بلکہ ایسا کیف ہے جس سے سرشار طبیعتیں سرور و سکون میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں
خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں "اس کی" یاد آتی ہے
اللھم جعلنا منھم

فیس بک اور محبت

از: عدیلہ کوکب (گجرات)

کبھی کبھی ایسے لگتا ہے جیسے فیس بک بالکل ہماری دنیا جیسی ہے۔ کہ فیس بک میں آنکھیں کھولتے ہی نئے و پرانے چہرے ملتے۔ کچھ دیکھے بھالے لوگ۔ پہلے پہل سب پیار دکھاتے جیسے دنیا میں آتے ہی بچے کو بہت پیار ملتا ویسے ہی فیس بک میں آتے ہی آپ کو بہت سی ریکوئسٹس آئیں گی ڈھیر سارا پیار۔ سب آ آ کر دیکھیں گے کہ نیا کون ہے؟۔

مگر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے ویسے ہی فیس بک کی آئی ڈی میں بھی آپ پرانے ہوتے جائیں گے۔ جب بچہ تھوڑا بڑا ہوتا تو جیسے اسے چھوٹے بڑے یا اچھے برے کا فرق معلوم نہیں ہوتا ویسے ہی فیس بک کا استعمال آنے پر اچھے برے کا علم نہیں ہوتا مگر جوں جوں آپ اس کو استعمال کرتے جاتے ہیں آپ کو سمجھ آنے لگتی ہے کہ دنیا کی طرح یہاں بھی اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ یہاں بھی والدین کا زندگی کے بارے میں سکھایا گیا اصول استعمال کریں کہ جو اچھے ہیں ان سے دوستی رکھیں جن کی ڈی پی یا آئی ڈیز میں کوئی برائی ہے جو اخلاقیات کے منافی ہے تو ان سے احتیاط کریں اور دوستی نہ بنائیں کیوں کہ وہ ایک نہ ایک دن آپ کو برائی میں کھینچ لیں گے۔ جس طرح ہم اپنی رئیل لائف کو فیس بک پہ اپلائی کر سکتے ہیں ویسے ہی ہم فیس بک سے بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

سٹیٹس (Status) : فیس بک میں سب سے پہلا کام اپنا اسٹیٹس دینا ہے تاکہ دوست اس کو دیکھیں ہماری سوچ کو پڑھیں اور اس پہ اپنی رائے دیں۔ اب فیس بک پر ہوتا یہ ہے کہ ہم جسے عزیز سمجھتے ہیں اس کی ہر پوسٹ کو لائک کرتے ہیں۔ اگر ہم عزیز دوستوں اور رشتہ داروں کو رئیل لائف میں بھی لائک کرنا شروع کر دیں یعنی انہیں احساس دلائیں کے ہم ان کی باتیں سنتے ہیں، دھیان دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں تو اس سے رشتوں میں محبت و عزت بڑھے گی۔

فیس بک میں عموماً جس بات پہ اختلاف ہو ہم بہت نرمی سے کہتے ہیں کہ "سوری ٹو سے، بٹ" (Sorry to say, But) یعنی، مجھے آپ کی اس بات کی تھوڑی وضاحت چاہیے کہ یہ بات مجھے ایسے نہیں ویسے لگ رہی ہے۔ اسی طرح رئیل لائف میں بھی اگر ہم اتنے ہی آداب کا خیال رکھیں اور اتنی ہی نرمی سے تمہید کے ساتھ کسی سے اختلاف کریں تو آپس میں اختلافات پیدا نہ ہوں بلکہ اس کی جگہ احترام و دلائل لے لیں گے۔

ٹیگ کرنا (Tag) : فیس بک پر کسی بھی ایونٹ یا ویسے ہی اپنے عزیز دوستوں کو ٹیگ کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیگ دراصل ایک تحفہ کی صورت ہوتا ہے جو یہ احساس دلاتا ہے کہ تم میرے لیے اہم ہو۔ اسی طرح اگر ہم رئیل لائف میں کسی ایونٹ پر یا ویسے ہی کبھی اپنے اقربا کو گفٹ سے نوازیں تو اس سے محبت والفت پیدا ہو گی۔

چیٹ (Chat) : فیس بک میں اہم لوگوں سے چیٹ کی جاتی ہے تا کہ انہیں ہماری موجودگی کا احساس رہے۔ اسی طرح اگر ہم گاہے بگاہے اپنے رشتہ داروں سے ملنے جاتے رہیں تو نہ صرف یہ کہ محبت بڑھے گی بلکہ ملاقات سے ایک دوسرے سے باتیں کر کے دلی سکون اور رشتوں میں پائیداری آئے گی۔

بلاک (Block): فیس بک میں ہم ناپسندیدہ ہستیوں کو بلاک کر دیتے ہیں تا کہ ہمیں ان کی پوسٹ وغیرہ دوبارہ نظر نہ آئیں اور نہ انہیں ہماری پوسٹس یا آئی ڈی نظر آئے۔ بالکل اسی طرح اگر ہم اپنی زندگیوں میں ناخوشگوار لمحات، کسی کی بدزبانی یا کسی کی غلطی کو ہمیشہ کے لیے بلاک کر دیں تو ہمارے دلوں میں وسعت پیدا ہو گی اور زندگیاں آسان ہو جائیں گی۔

آیئے فیس بک میں اپنائے جانے والے ان چند آداب کو اپنی معاشرتی وخاندانی زندگی میں اپلائی کریں اور رشتہ داروں میں محبت وپیار بڑھائیں۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

چاہت اور عزت

انتخاب: عظیم الرحمان عثمانی (برطانیہ)

سارا معاملہ پہلی ترجیح کا ہے . مرد نے ابتدا سے عزت کے حصول کو اپنی اولین ترجیح بنایا، عزت و وقار کو پانا مرد کی شدید خواہش ہے اور اس حوالے سے وہ نہایت حساس ہے. اس کے برعکس عورت نے اپنا پہلا تقاضہ محبت کو بنایا، وہ مرد کی طرح محض محبت کو پسند ہی نہیں کرتی بلکہ ہمہ وقت اس کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے . وہ چاہتی ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اسی کے حصول کو وہ اپنا مقصد ومنتہا بنالیتی ہے . اب چونکہ محبت کے لئے توجہ حاصل کرنا لازم ہے اور خوبصورتی وہ شے ہے جو توجہ کو مبذول کرتی ہے لہٰذا عورت نے ہمیشہ بناؤ سنگھار کو اپنایا یا سادہ الفاظ میں کہیئے تو اپنی 'ذات' کو سجایا تا کہ توجہ اور محبت حاصل ہو سکے . دوسری طرف مرد چونکہ عزت و وقار کا طالب تھا تو اس نے اپنی ذات پر نہیں بلکہ 'صفات' پر زیادہ زور دیا۔ وہ ہر وقت اس تگ ودو میں لگا رہا کہ غیرت، شجاعت، ایجاد جیسی صفات کو نشو نما دے کر عزت و وقار کو پا سکے۔ مرد اور عورت نے وہی پایا ہے جس کی ان دونوں نے اپنی اپنی جنس میں بحیثیت مجموئی کوشش کی۔ مرد نے اجتماعی اعتبار سے عزت و وقار کو حاصل کر لیا جبکہ عورت نے محبت و توجہ پالی۔ مرد کو کمتر درجہ میں محبت ملی اور عورت کو کمتر درجہ میں عزت۔ البتہ یہی عورت جب ماں کا روپ اختیار کرتی ہے تو اس کردار کو نبھانے میں وہ 'ذات' کو نہیں بلکہ 'صفات' کو اپنالیتی ہے۔ وہ بناؤ سنگھار کی جگہ ایثار، قربانی، صبر جیسی صفات کے ذریعے اپنی اولاد کو پروان چڑھاتی ہے، شائد یہی وجہ ہے کہ ماں کے روپ میں وہ اپنی اولاد سے اعلیٰ درجہ کی عزت و توقیر حاصل کر لیتی ہے۔

سوشل میڈیا

از: عدن خان (ملتان)

سوشل میڈیا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں لوگوں کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا ہی کی وجہ سے پوری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرح بن گئی ہے جہاں سب ایک دوسرے کو جاننے میں لگے رہتے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں سوشل میڈیا کی مقبولیت کی ایک بڑی وجہ اس کے فیچرز ہیں جو زندگی کے بہت سے کاموں کو آسان سے آسان بناتے جا رہے ہیں۔ پاکستان میں تقریباً دو ملین سے زائد افراد سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہیں جس میں بڑی تعداد نوجوان نسل کی ہے۔ سوشل میڈیا پر کی جانے والی سرگرمیاں ہمارے تعلقات اور روابط پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں اور کچھ غلطیاں آپ کا تاثر خراب کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ ہر چیز کی زیادتی ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔ اعتدال پسندی کو چھوڑ کر انتہا پسندی اپنانا کوئی عقلمندی نہیں۔ اور یہی مسئلہ ہے سوشل میڈیا کے ساتھ۔ ہم اپنی فیملی کو صحیح توجہ نہیں دے پاتے، دوستوں کے ساتھ کھانے پر بھی ان دوستوں کو "ٹیگ" کرتے رہتے ہیں جو اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہوتے اور صبح جاگنے سے لے کر رات بیڈ پر سوتے وقت تک اسی سمارٹ فون کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں اور سوشل میڈیا کا پیچھا نہیں چھوڑتے جس سے ہماری حقیقی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ آج کل سوشل میڈیا ایک نشے کی مانند بن چکا ہے اور لوگ اس نشے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ سوشل میڈیا ایک عوامی آواز بن کر ابھرا ہے جہاں سیاسی شخصیات سے لے کر شوبز کی شخصیات تک سب موجود ہیں جہاں ایک عام آدمی اپنے مسائل سے میڈیا اور حکومت کو آگاہ کر سکتا ہے۔ سوشل میڈیا جہاں بہت موثر ثابت ہو رہا ہے وہاں اس کا غلط استعمال ہمیں نقصان بھی پہنچا رہا ہے۔ جالی آئیڈیز، منفی سوچ اور پروپگنڈا بھی سوشل میڈیا کا حصہ بن رہے ہیں، ایسی صورت حال میں عام آدمی بھی اس کا حصہ اس طرح بن جاتا ہے کہ وہ بغیر تصدیق کئے پوسٹ کو شئیر کر لیتا ہے۔ سوشل ویب سائٹس کے ذریعے جرائم پیشہ افراد لوگوں کے ساتھ دوستی کا ناٹک کر کے انہیں اغواء کر رہے ہیں، سوشل میڈیا کا غلط استعمال اخلاقیات اور کردار کو تباہ کر رہا ہے، سوشل سائٹس پر آنے والے اخلاق سے گرے ہوئے ایپس اور اشتہارات معاشرے میں بے راہروی کو فروغ دے رہے ہیں- چند نفسیاتی مریض اپنے فتور کی وجہ سے سوشل سائٹس پر موجود تصاویر کا غلط استعمال کر کے لوگوں کی ذاتی زندگی کو نقصان پہنچا کر ان کے اور معاشرے کے سکون کو تباہ کر رہے ہیں- اس کے علاوہ سائبر کرائم میں ملوث افراد لوگوں کے اکاؤنٹس ہیک کر کے ان کے ڈیٹا اور ذاتی معلومات کا بھی غلط استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ محض ٹائم پاس اور تفریح کے لئے ان کاموں میں یہ جانتے ہوئے بھی ملوث ہیں کہ اس امر سے نہ صرف وہ لوگوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں بلکہ اپنی ذات اور قیمتی وقت بھی برباد کر رہے ہیں- یہ نوجوان نسل میں ڈپریشن اور پریشانیوں کا سبب بھی بن رہا ہے جس سے ان کی صحت، تعلیم، اور پریکٹیکل زندگی پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ سوشل میڈیا بے بنیاد اور جھوٹی خبروں کے پھیلاو، اور پروپیگنڈہ کا وسیع اور آسان ذریعہ بھی بن رہا ہے۔ ناشائستہ اور بے ہودہ زبان کا استعمال بھی بڑھ رہا ہے۔ جہاں سوشل میڈیا کے اتنے نقصانات ہیں وہیں اس کے بہت سے فائدے بھی ہیں۔ سوشل میڈیا کی بدولت آن لائن بزنس، آن لائن جابز، بینکنگ، ووٹنگ اور تعلیمی شعبہ وغیرہ میں بہت مدد ملتی ہے۔ اصل حقائق کو لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ کم علم لوگوں میں عقیدے کی

درستگی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ لمبی تقریروں کی بجائے آسان اور عام فہم انداز میں اپنی بات کو ادا کرنے کا رویہ بھی جنم لیتا ہے۔ ہم سب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ سوشل میڈیا کی تباہ کاریوں سے عوام الناس کو واقف کرایا جائے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ سوشل میڈیا کے منفی استعمال سے گریز کریں۔ اس بات کی طرف بھی لوگوں کی رہنمائی کی جاسکتی ہے کہ وہ ان ذرائع کا استعمال اصلاحی امور کی انجام دہی کیلئے کریں، کیونکہ یہ بات ذہن نشین رکھنی بہت زیادہ ضروری ہے کہ موجودہ دور میں اصلاحی کوششوں کی شدید ضرورت ہے۔ آج جب کہ شیطانی وطاغوتی طاقتیں منظم انداز میں انسان کی معاشرتی زندگی پر حملہ آور ہورہی ہیں اور خوبصورت ونت نئے انداز سے انہیں برباد کرنے کی متواتر کوششیں کررہی ہیں تو معاشرے کے ذمہ دار افراد کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ نئی نسلوں کو شیطانی اثرات اور حربوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ہر ممکن موثر جدوجہد کریں۔ اپنی نسلوں کو بالکل آزادانہ چھوڑیں۔ اگر انہیں آزاد چھوڑا گیا تو آنے والے چند برسوں میں مزید خطرناک نتائج سامنے آئیں گے۔

صرف دیکھا ہی تو ہے

انتخاب: ام مریم (لاہور)

جدید تہذیب کی یہ سوچ ہے کہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے صرف دیکھا ہی تو ہے، کون سا غلط کام کیا ہے تو کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اچانک اگر شیر یا سانپ سامنے آجائے اور آدمی صرف دیکھ لے تو صرف دیکھنے سے جان پر کیا بنتی ہے؟

سبزہ اور پھول صرف دیکھے جاتے ہیں تو پھر ان کے دیکھنے سے دل مسرور اور مطمئن کیوں ہوتا ہے؟ زخمی اور لہولہان کو صرف دیکھتے ہی تو ہیں لیکن پریشان، غمگین اور بعض لوگ وبے ہوش بھی ہو جاتے ہیں۔

تجربات کے لحاظ سے یہ بات واضح ہے کہ نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ڈپریشن، بے چینی اور مایوسی کا شکار ہوتا ہے کیونکہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں۔ اسی طرح شہوت کی نگاہ سے دیکھنے سے ہارمونزی سسٹم کے اندر خرابی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان نگاہوں کا اثر زہریلی رطوبت کا باعث بن جاتا ہے اور بہت سے جسمانی وروحانی امراض لاحق ہوتے ہیں۔

دل کو ضعف ہو جاتا ہے، برے خیالات سے مثانے کے غدود متورم ہو جاتے ہیں جس سے بار بار پیشاب آنے لگتا ہے اور اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں ، دماغ کمزور اور نسیان پیدا ہو جاتا ہے گردے بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ زلزلے میں کیا ہوتا ہے جب کہیں زلزلہ آتا ہے تو جھٹکوں سے عمارت کمزور ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بالکل بدنگاہی کی عادت بھی اسی طرح انسان کو کمزور اور ناتواں بنا کر رفتہ رفتہ گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔

فیچر مضمون

انٹرنیٹ اور محبت

از: پروفیسر محمد عقیل (کراچی)

یوں تو مرد و عورت میں محبت کی تاریخ بہت پرانی ہے لیکن انٹرنیٹ آنے کے بعد عشق و محبت کی نئی داستانیں رقم ہوئی ہیں۔ اجنبی مرد و عورت کا محبت کرنا جائز ہے یا ناجائز، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ لیکن محبت کی کچھ قسمیں ایسی ہیں جن میں جواز کا کوئی امکان مذہب و معاشرہ فراہم نہیں کرتا۔ ان میں سر فہرست تو شادی شدہ شخص کا کسی نامحرم کے ساتھ عشق و محبت میں گرفتار ہو جانا یا غیر محتاط گفتگو کرنا ہے۔ دوسرا معاملہ خفیہ طریقے سے بات چیت، ملاقات، تصاویر کا تبادلہ، ہنسی مذاق، شعر و شاعری اور رابطہ قائم کرنا ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق سوشل میڈیا جس میں فیس بک سر فہرست ہے اس کی بنا پر دنیا بھر میں بے شمار طلاقیں ہو چکیں اور بے شمار گھرانے تباہ ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بلیک میلنگ نے بھی گھریلو زندگی میں دراڑیں ڈالیں اور لوگوں کا سکون برباد کیا ہے۔ اصل میں لوگ تفریح ہی تفریح میں بات چیت کرتے چلے گئے اور معاملات پھر ان کے قابو سے باہر نکل گئے۔ پھر جب پیچھے ہٹنے لگے تو فریق ثانی ضد پر آگیا اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ کبھی دل پر قابو نہ رہا، کبھی پیچھے ہٹنے سے قبل ہی کسی کو علم ہو گیا اور یوں فیس بک نے ناجائز محبت کرنے والوں کا چہرہ ساری زندگی کے لئے داغدار کر دیا۔

جن کے ساتھ ہوا سو ہوا لیکن یہ کہیں ہمارے ساتھ نہ ہو جائے، کہیں ہماری اولاد اس سے متاثر نہ ہو جائے، کہیں ہمارے دوست احباب اس مشکل میں نہ پڑ جائیں۔ کہیں ہم خود ہی اس مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس کے لیے ہمیں ان وجوہات کو جاننا پڑے گا جس کی بنا پر ایک شخص کسی دوسرے سے کسی معاملے میں ملوث ہوتا ہے۔

انسانوں میں چاہے جانے کی ایک بڑی شدید خواہش ہوتی ہے۔ کوئی اس کی جھوٹی تعریف بھی کر دے تو انسان اسے جھوٹ جاننے کے باوجود اس سے محظوظ ہونا کوئی مسئلہ نہیں سمجھتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں تعریف کرنے والے شخص کے لیے ہمدردی اور لگاؤ کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جواب میں اس کی تعریف کرنا ایک اخلاقی فرض معلوم ہوتا ہے۔

اگلا مرحلہ تنہائی میں چیٹ کا ہوتا ہے۔ ان باکس میں چیٹ سے وہ پرائیویسی لمحوں میں مل جاتی جو قدیم زمانے میں چاہنے والوں کو ہزار جتنوں کے بعد میسر آتی تھی۔ ابتدا میں ضروری نہیں کہ عشق کی باتیں ہی ہوں۔ بس ادھر ادھر کی باتیں ، باتوں سے باتیں۔ اگلا مرحلہ اس نئے بننے والے رشتے کو نام دینے کا ہوتا ہے۔ اسے دوست یا کولیگ، پاکیزہ محبت وغیرہ سے موسوم کردیا جاتا ہے۔ کچھ مذہبی لوگ اسے کیموفلاج کرنے کے لیے منہ بولے بہن بھائی کے رشتے کا نام دے دیتے ہیں۔

اس کے بعد قدرت کا قانون اپلائی ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ جب مسلسل کسی نامحرم سے تنہائی میں بلا مقصد رابطہ رکھا جاتا ہے تو ہمارے دماغ میں سے کچھ ہارمونز کا اخراج ہوتا ہے۔ اس میں اوکسی ٹائیسین سب سے اہم ہے۔ یہ ہارمون ہمارے دل میں کسی دوسرے شخص کے لیے چاہے جانے کے جذبات پیدا کردیتا ہے اور اس کے حصول یا اس سے بات چیت کو گلیمرائز کرکے ایک فلمی اور خیالی دنیا میں لے جاتا ہے۔

جب یہ ہوجاتا ہے تو پھر بات کرنے کا جی چاہتا ہے۔ چیٹ سے فون، فون سے ملاقات ، ملاقات سے پھر ملاقات اور پھر ملاقات ہی ملاقات۔ اگر کبھی ایسا نہیں ہوپاتا تو دل اداس ہوجاتا، گھبراہٹ طاری ہوتی، کسی کام میں دل نہیں لگتا اور بے چینی و بے بسی کا عالم ہوتا ہے۔ چونکہ ہر ملاقات یا بات چیت ایک نشہ کی مانند ہوتی ہے تو جونہی یہ نشہ اترتا ہے تو دوبارہ طلب پیدا ہوتی ہے جو پہلے سے شدید تر ہوتی ہے۔

اگر بدقسمتی سے کسی ایک فریق کا دل بھر جائے یا اسے عقل آجائے یا اس کی ترجیحات بدل جائیں تو دوسرے فریق کی حالت ابتر ہوجاتی ہے۔ اس کی طلب بے چینی اور بے چینی ڈپریشن ، پاگل پن، جنون یا انتقامی جذبے میں بدل جاتا ہے۔ اس کا اثر صرف دو افراد ہی نہیں دو خاندانوں پر پڑتا ہے۔ اس کا انجام کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

اس تجزیے میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب کے سب امکانات ہیں یعنی ایسا ہوسکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ سب لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہو۔ عین ممکن ہے کہ کہیں محبت ہی پیدا نہ ہوپائے، کہیں معاملات ابتدائی سطح تک ہی محدود رہیں اور کہیں محبت واقعی ان جائز حدود کو سامنے رکھ کر کی گئی ہو جس کا انجام جائز نکاح کی صورت میں نکلے۔ لیکن اس قسم کے معاملات کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔ زیادہ تر لوگ تو سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہی اس بنا پر ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے تجربات شئیر کیے کہ انہوں نے لڑکی کی جعلی آئی ڈی بنا کر کچھ معتبر لوگوں سے تعلق قائم کیا اور انہیں اپنی جانب لبھایا۔ تو وہ بھی اسی جال میں باآسانی پھنس گئے جس میں نوعمر لوگ پھنستے ہیں۔

اب کیا کیا جائے؟ جو لوگ غیر سنجیدہ ہیں اور جن کی زندگی کا مقصد محض تفریح اور انٹرٹینمنٹ ہی ہے، انہیں تو کسی قسم کی تلقین کرنا لایعنی ہے۔ البتہ وہ لوگ جو واقعی اس دلدل میں پھنس چکے ہیں یا پھنس رہے ہیں انہیں متنبہ کیا جاسکتا اور اس کا حل بتایا جاسکتا ہے۔

اس قسم کے معاملات کا سب سے اہم دروازہ کمیونکیشن ہے۔ جب ایک لڑکی یا لڑکا کسی نامحرم سے بلاوجہ بات کرتا ہے تو اس کی باتیں اس کے دماغ کے ایک کونے میں جمع ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ یہ باتیں یادیں بنتی اور پھر انڈے بچے دینا شروع ہوجاتے ہیں۔ خیالی پلاؤ اور تصور ان یادوں کے ذخیرے کو دوآتشہ کردیتے ہیں۔ تو اس معاملے سے نجات کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہر قسم کی کمیونکیشن پر چیک لگایا جائے۔ اگر آپ اس قسم کے کس افیئر میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں تو چیک ضرور لگادیں۔ کسی بھی نامحرم سے بے تکلف ہوکر بات کرنے سے گریز کریں۔ ان باکس میں چیٹ نہ کریں، اپنے موبائل کا پاسورڈ نہ رکھیں اور جب چاہیں آپ کے شوہر، بیوی، باپ، بھائی اسے چیک کرلیں الا یہ کہ کوئی دفتری یا دیگر مجبوری درپیش ہو۔ اگر آپ اس مصیبت میں گرفتار ہوچکے ہیں تو سب سے پہلے تو یہ دیکھیں کہ آیا آپ کے تعلق کا انجام جائز ہوسکتا ہے یا نہیں۔ جائز سے مراد یہ کہ اگر

آپ دونوں کا نکاح ممکن ہے اور سوسائٹی کو کوئی اعتراض نہیں تو پھر اس کی کوشش کر لیں اور اس قسم کے خفیہ تعلق کو چھوڑ دیں۔ اگر نکاح ممکن نہیں یعنی فریقین میں سے کوئی ایک بھی شادی شدہ ہے تو اپنی جھوٹی سچی تمام تعریفوں کو یکسر نظر انداز کیا جائے۔ بات چیت یا رابطہ کسی بھی قسم کا ہو اسے ختم کر دیں تو ابتدا میں وحشت ضرور ہو گی لیکن وقت کا مرہم اس خلا کو پُر کر دے گا۔

اس معاملے میں یہ کم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں کو ایک ساتھ عقل آئے۔ چنانچہ جب ایک فریق پیچھے ہٹتا ہے تو دوسرا فریق اسے واپس کھینچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ وہ روتا ہے، چلاتا ہے، کبھی بیمار پڑ کر لبھاتا ہے، کبھی جذباتی بلیک میلنگ کرتا ہے، کبھی غصہ دکھاتا ہے، کبھی دھمکیاں دیتا، کبھی وعدے وعید یاد دلاتا تو کبھی طعنے دیتا ہے۔ اس متاثرہ فریق کے درد کا علاج اس کی کاؤنسلنگ نہیں ہوتی کیونکہ کاؤنسلنگ میں دوبارہ وہی کمیونکیشن بحال ہو جاتی اور ہارمونز کا رُکا ہوا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا واحد علاج اسٹینڈ لے لینا، پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا اور ہر قسم کی کمیونکیشن پر پابندی لگا دینا ہوتا ہے۔

کم عمر لڑکیاں سب سے زیادہ اپنی عزت اور بدنامی سے ڈرتی ہیں۔ اس کی بنا پر وہ کسی غلطی کا ارتکاب کرنے کے بعد اسی کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ حالانکہ انہیں فوراً اپنے ماں باپ کو اعتماد میں لے کر ساری صورت حال بتا دینی چاہیئے۔ ماں باپ غصہ تو ہوں گے لیکن تجربہ کار ہونے کی بنا پر بات سنبھال لیں گے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کس طرح پتا چلا کہ ایک مرد یا عورت کسی سے باتوں ہی باتوں میں محبت وعشق میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا ٹیسٹ ہے۔ اگر آپ کا بلاوجہ کسی خاص نامحرم شخص سے بات کرنے کا جی چاہے، اس سے بات کرنے میں لذت ملے، بات نہ ہونے پر رنج ہو، یاد ستائے، بیماری لاحق ہو جائے، ذہنی خلجان ہو تو سمجھ لیں کہ آپ پر اوکسی ٹاسین نامی ہارمون حملہ آور ہو چکا۔ اس کا علاج وہی ہے جو اوپر بتایا۔

محبت کا مرکز

از: عنبرین عقیل (کراچی)

انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو محبت کے لفظ سے ناآشنا لیکن اس کے لمس سے آشنا ہوتا ہے۔ یہ لمس ماں کا ہوتا ہے جو اس کے لیے سب کچھ ہے۔ جب وہ بچہ بڑا ہوتا ہے تو محبت کو ایک اور روپ میں دیکھتا ہے۔ وہ محبت، شفقت، رحمت اور ربوبیت جو اس نے ماں کی آغوش میں پائی وہ اب کائنات میں محسوس ہوتی ہے۔ پہلے ماں کی آغوش کی گرمی تھی تو اب دھوپ کی حرات ہے، پہلے غذا ماں کے سینے سے ملتی تھی تو اب زمین کے سینے سے ملنے لگی، ماں کے لمس کی جگہ سرسراتی ہوا کا لمس بیدار ہو گیا۔ غرض محبت کا ظاہری مرکز پہلے ماں تھی اور بعد میں کائنات ہو گئی۔ لیکن محبت کا اصل منبع نہ تو کائنات ہے اور نہ ماں۔ اس کا اصل مرکز تو وہ ہے جس نے ماں کو بنایا، جس نے کائنات کو بنایا اور جس نے دونوں میں محبت و ربوبیت رکھ دی۔ محبت کا اصل مرکز و منبع مخلوق نہیں خالق ہے۔

فیچر مضمون

محبت بھی زندگی کا استعارہ ٹھہری

از: عظمیٰ عنبرین (ڈی۔جی۔خان)

دادا ابا گھر کی ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ کسی شدید گھریلو اختلاف کی صورت میں ان ہی کا فیصلہ سب کے لیے قابل قبول ہوتا، اور جب وہ بولتے تو سبھی ان کے آگے خاموشی سے سنتے تھے۔ وہ کسی کو مشورہ دیتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ناپسند کیا جائے۔ ان کی شخصیت میں کوئی سختی نہ تھی بلکہ یہ محبت اور عزت واحترام کا رشتہ تھا جس نے سب کو ایک مقدس بندھن میں باندھ دیا تھا۔ گھر کا کوئی اہم مسئلہ ہو تو تمام افراد مل کر باہم گفت وشنید اور ان کی رہنمائی میں ہی فیصلہ کرتے تھے۔ آج بھی اسی مقصد سے سب دادا ابا کی خاص فرمائش پر شام کی چائے پر اکٹھے ہوئے تھے اور یہ میٹنگ راحیل کے مسئلے پر غور کرنے کے سلسلے میں ہو رہی تھی۔

"ہاں تو راحیل میاں، کیا سوچا ہے تم نے؟"۔ دادا ابا نے راحیل کی طرف دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"کس بارے میں؟" راحیل کو فوری طور پر اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کس حوالے سے بات کر رہے تھے۔

"تمہاری شادی کے بارے میں بات ہو رہی ہے برخوردار، تم نے کیوں ماں کو پریشان کر رکھا ہے؟"

"شادی میں حنا سے ہی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے دوٹوک انداز میں اپنی خواہش بتا دی۔ "مما میری پسند کو ریجیکٹ کرنا چاہتی ہیں تو اپنے لیے ریجیکٹ کر سکتی ہیں میرے لیے نہیں۔ مجھے صرف اسی سے ہی شادی کرنی ہے۔" مما نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ لیکن دادا ابا نے اسی متحمل انداز اور دھیمے لیکن مضبوط لہجے میں پوچھا: "لڑکی کی تعلیم، شکل وصورت اور فیملی کے بارے میں بتاؤ۔"

"اس نے چار سال پہلے میرے ساتھ ہی ایم بی اے کیا تھا۔ بینک میں جاب کرتی ہے۔ انتہائی خوش شکل، خوش اخلاق ہے اور اس کا تعلق مڈل کلاس فیملی سے ہے۔" راحیل نے ایک ہی سانس میں مکمل خاکہ بیان کر دیا۔

اب کی بار دادا مما کی طرف متوجہ ہوئے: "بہو رانی تمھیں اس کی پسند کے معاملے میں کس بات پر اعتراض ہے؟" مما جو تمام اہل خانہ میں سب سے زیادہ اسٹیٹس کانشس تھیں، جذباتی انداز میں گویا ہوئیں: "ابا جان! ہمارا ایک اسٹیٹس اور فیملی بیک گراؤنڈ ہے، لوگ جب پوچھیں گے کہ ایک مڈل کلاس لڑکی پر ہمارے انوکھے لاڈلے کس بنا پر عاشق ہوئے تو ہم کیا منہ دکھائیں گے۔۔؟"

راحیل ان کی بات کاٹتے ہوئے تلخی سے بولا، "لوگوں کی مجھے پروا نہیں ہے۔ شادی میں نے اس سے کرنی ہے، اس کی فیملی سے نہیں۔ شادی کے بعد

وہ ہماری فیملی کا حصہ بن جائے گی تو فیملی بیک گراؤنڈ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

ماحول میں تلخی بڑھتی دیکھ کر دادا جان نے دونوں کو خاموش کرایا اور مما کی طرف رخ کر کے بولے "دیکھو بہو رانی، محبت ہو جانا کوئی بری چیز نہیں ہے۔ لیکن اللہ نے اس کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ اگر اللہ نے اس لڑکی کی محبت راحیل کے دل میں پیدا کی ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی بہت اچھی لڑکی ہو۔ مڈل کلاس سے تعلق ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔ بری بات تب ہوتی ہے جب آپ دوسروں کو چھوٹا سمجھتے ہوں، ان کی بے عزتی کرتے ہوں۔ حیثیت کا تعین روپے پیسے سے نہیں بلکہ اخلاق سے کرنا چاہیے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے گھرانے کا شمار اپنے لیول کے بہت سے دوسرے ان گھرانوں کی طرح نہیں ہے جہاں بے حیائی اور شراب کی محفلوں کو برا نہیں سمجھا جاتا۔۔ الحمدللہ ہم اپنی اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہیں اور اسٹیٹس کی آڑ میں بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ میں مبتلا نہیں ہوئے۔ ایسے میں ہمارا یہی اسٹیٹس ہمیں دنیا کی اس زندگی میں امتحان کے طور پر ملا ہوا ہے۔"

اتنے ٹھوس دلائل کا مما کے پاس کوئی جواب نہ تھا، لہٰذا انھوں نے خاموش رہ کر بات مان لینے میں ہی عافیت جانی۔۔۔۔۔

آج کا دن راحیل کے لیے اچھا دن رہا تھا۔ اس کی توقع کے خلاف دادا ابا نے مما کو جلد ہی قائل کر لیا تھا۔ یہ اس کے نزدیک دوسرا اہم مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ پہلا صبر آزما مرحلہ حنا سے ہونے والے مذاکرات کا تھا۔ چار سال قبل وہ اس کی کلاس فیلو رہی تھی۔ مخلوط ایجوکیشن میں لڑکوں اور لڑکیوں کی دوستی عام سی بات تھی۔ راحیل کی بھی بہت سی فرینڈز تھیں۔ لیکن تمام تعلیمی فیز کے دوران حنا نے کسی بھی لڑکے سے انتہائی ضرورت کے علاوہ کبھی بات نہیں کی تھی۔ راحیل سمیت اس کے کچھ کلاس فیلوز نے اس سے دوستی کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسے آج بھی وہ مکالمہ یاد تھا جب اس نے حنا سے کہا تھا، "میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے سخت لہجے میں انکار کیا تھا، "میں یہاں دوستیاں کرنے نہیں، صرف تعلیم مکمل کرنے آئی ہوں۔"

وہ بولا، "آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔"

حنا نے جھنجھلا کر کہا۔ "میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ مجھ سے دوستی کے لیے اصرار کیوں کر رہے ہیں۔ جو میں نہیں کرنا چاہتی، آپ کی اور بھی فرینڈز ہیں، ان ہی کو اپنے لیے کافی سمجھیں۔"

"ہاں میری اور فرینڈز بھی ہیں لیکن ان میں اور آپ میں فرق ہے۔"

یعنی آپ اسی فرق کو مٹانا چاہتے ہیں، مجھے اسی کیٹگری میں لانا چاہتے ہیں۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں۔"

وہ لاجواب ہو گیا تھا۔ ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ دوستی نہیں کرنا چاہتیں، نہ کریں لیکن ہم کچھ فرینڈز کمبائن اسٹڈی تو کر سکتے ہیں، آپ ہمارے گروپ میں شامل ہو جائیں۔" اس نے اپنے مطالبے میں ترمیم کی تھی۔

"نہیں میں کمبائن اسٹڈی بھی نہیں کر سکتی، آپ اس کام کے لیے بھی کسی اور کو تلاش کریں۔" وہ یہ کہہ کر کلاس کی طرف چلی گئی تھی۔

اگرچہ پڑھائی میں ان کی پوری کلاس کا رزلٹ بہتر تھا اور دوستیاں بھی گروپ اسٹڈی، کینٹین میں اکٹھے کھانے پینے اور ایک دوسرے کی سالگرہ یا کامیابیوں پر وش کرنے اور ٹریٹ کی حد تک محدود تھیں۔ لیکن وہ اپنے مزاج اور گھرانے کی ویلیوز کی بنا پر ان کاموں سے دور ہی رہتی تھی۔

پھر تعلیمی دورانیہ مکمل ہونے کے بعد سب اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے۔ رابطے بھی تقریباً ختم ہو گئے۔ راحیل کچھ عرصہ بعد سی ایس پی آفیسر کے

طور پر کام کرنے لگا۔ ایک دن کسی کام سے اس کا بینک کی طرف جانا ہوا تو وہاں حنا کو ڈیوٹی پر دیکھ کر چونک گیا۔

اس دن وہ اپنی شفٹ ختم کر کے بینک سے نکل رہی تھی۔ جب ایک بار پھر اس کا سامنا راحیل سے ہوا تھا۔

"تم آخر میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" وہ تنگ آچکی تھی۔

"تم آخر مجھ سے دوستی کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"دوستی نہیں ہو سکتی، یہ ناممکن ہے۔"

"ٹھیک ہے دوستی نہیں ہو سکتی، شادی تو ہو سکتی ہے۔ پھر تم مجھ سے شادی کر لو۔"

وہ ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی ڈھٹائی اور مستقل مزاجی قابل دید تھی۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔ حنا نے اسے دیکھتے ہی بڑی سنجیدگی سے کہا "میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم کچھ چیزوں پر بات کریں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں۔"

آپ نے میرے پروپوزل پر غور کیا؟"

نہیں" حنا نے اطمینان سے جواب دیا۔

کیوں؟"

"کیونکہ یہ قابل غور تھا ہی نہیں۔"

وہ کچھ کہنے لگا تھا۔ حنا نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ مجھے بات کرنے دو۔

تم ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتے ہو اور میں مڈل کلاس سے اور ہماری کئی نسلیں بھی اس کی برابری نہیں کر سکتیں۔

کئی نسلوں کا انتظار کیوں ہے تمہیں؟ مجھ سے شادی کر کے تم میرے خاندان کا ایک حصہ بن سکتی ہو۔

وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"حنا ایک بات تو طے ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے اور مجھے شادی بھی تم سے ہی کرنی ہے۔

میں مستقل مزاج ہوں، اپنے فیصلے خود کرتا ہوں اور بے حد سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔"

مجھے جانا ہے۔" اس نے بمشکل کہا۔"

میری بات کا جواب دیئے بغیر نہیں جاؤ پلیز۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔"

"مجھے یہ بتاؤ، کیا تمہارے ماں باپ اس شادی پر راضی ہو جائیں گے؟"

"شادی میں نے کرنی ہے، میرے ماں باپ نے نہیں۔ میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہوں۔ شادی کر سکتا ہوں اور بیوی کو رکھنا بھی افورڈ کر سکتا ہوں۔ اور

اگر وہ راضی نہ بھی ہوئے تو ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔ ایک بار شادی ہو جانے کے بعد تھوڑے عرصے میں مان جائیں گے۔ حنا اس کی بات پر شاک لیے بغیر نہ رہ پائی۔

"ہر گز نہیں۔ کورٹ میرج تو میں کبھی نہیں کر سکتی۔ تمہارے گھر والوں کی مرضی ضروری ہے اور انہیں باقاعدہ رشتہ لانا چاہیے، میرے گھر والے اگر مان گئے تو ہی یہ رشتہ میرے لیے قابل قبول ہو گا ورنہ کسی قیمت پر نہیں۔"

راحیل جانتا تھا کہ اس کے گھر والے تو شاید اس رشتے پر تیار ہو بھی جائیں لیکن والدہ کسی بھی صورت نہیں مانیں گی۔ ان کے انکار کا سوچ کر وہ خائف تھا مگر یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ حنا کو پرپوز کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اپنے گھر والوں کو راضی کرنے کے بعد اس نے حنا کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے والدین سے اس کے متعلق بات کرے۔ اتوار کے دن وہ اپنے والدین کو ان کے ہاں بھیجے گا۔

حنا نے جھجکتے ہوئے، اپنی بہن کے ذریعے والدہ سے بات کی۔ لیکن ان کا ردعمل حنا کی توقع کے مطابق تھا۔ انہوں نے ایسے رشتہ سے واضح انکار کر دیا تھا۔ جس میں خاندانوں کا طبقاتی فرق بہت زیادہ تھا۔ صرف والدہ ہی نہیں بلکہ تمام گھر والے اس رشتہ کے بارے میں بات کرنے پر تیار نہیں تھے۔ راحیل نے یہ سنا تو اس سے اصرار کیا کہ گھر والوں کو مناؤ۔ انہیں قائل کرو۔ دنیا میں محبت کی شادی کرنے والا میں واحد آدمی نہیں ہوں۔ اور بھی بہت سے لوگ محبت کرتے ہیں اور بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔

آج وہ بہت اداس تھی۔ وہ چھت کی اوپر والی سیڑھی پر بیٹھی پُر اندھیر خلاؤں کو گھور رہی تھی۔ اس کی زندگی بھی اسی سیاہ رات کی مانند اندھیروں سے پُر تھی۔ اس کے گھنے سنہری بال ہوا میں لہراتے ہوئے اس کے چہرے پہ آرہے تھے جسے وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے کانوں کے پیچھے کر دیتی مگر کچھ ہی لمحے میں وہ دوبارہ اس کے چہرے کے گرد لہرانے لگتے۔ چاند اس کے آتے ہی کسی اندیشے سے بادلوں میں کہیں چھپ گیا تھا۔ سیاہ فلک پہ چمکتے ستارے ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے وہ اس کی بے بسی پہ مسکرا رہے ہوں۔ ہر سو خاموشی طاری تھی مگر اس کے دل میں بہت سی امنگیں شور مچا رہی تھیں اس کے ذہن میں سوچوں کا ہجوم تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ محبت، جس کے بارے میں شاعروں، فلسفیوں اور مفکرین نے بہت کچھ لکھا آخر کیا ہوتی ہے، جو اسے اچانک محسوس ہو رہا ہے کیا یہ بھی محبت ہے۔ کیا محبت زندگی کا ایک استعارہ ہے؟ لیکن زندگی ہی کی طرح متحرک اور بدلتے مزاج کے مالک انسانوں سے دائمی رویوں کی توقع کیوں کر؟ جب انسان کو دوام نہیں تو اس کی محبتوں کو کیسی بقا؟ لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ جو واردات میرے دل کے ساتھ ہوئی ہے وہ سب ہی کے ساتھ ہو۔ یہ میری بدبختی بھی تو ہو سکتی ہے۔ محبت نامی معمے کی کتنی پرتیں، کتنے پہلو اور کتنے زاویے ہوتے ہیں؟ دیر تک وہ بے ربط خیالات کے گھیرے میں مقید رہی۔

"امی آپ لوگ مان کیوں نہیں لیتے" اگلی صبح وہ سوجی ہوئی آنکھوں سے پھر انہیں منانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی شکل دیکھ کر اس کی امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ پھر ایک دم ہی ان کے ذہن میں استخارہ کرنے کا خیال بہت شدت سے آیا۔

ایک مہینے بعد بڑی سادگی سے دونوں کی شادی ہو گئی۔ جس میں دونوں کے گھر والے شریک تھے۔

محبت کا ہو جانا حادثہ تو ہو سکتا ہے، جرم نہیں۔، محبت جرم تب بنتی ہے جب وہ اپنے ساتھ احساس جرم لے کر آئے۔

محبت اور وفا کے معیار ہمارے دین اور معاشرتی اقدار کے تابع ہونے چاہیں۔

محبت نامہ ------اَز: تصور سمیع (چنیوٹ)

کچھ محبتیں بے نام اور خاموش ہوتی ہیں

جنہیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے یا صرف پڑھا جا سکتا ہے

یہ محبتیں اظہار کے احتیاج سے ماوراہوتی ہیں گہرے پانیوں کی طرح معنی خیز، گم سم، خاموش طبع، سنسان

لیکن ہر ایک کو سیر کر دینے والی

سیر اب کر دینے والی

روح تک کو سرشار کر دینے والی

زمانے بھر کی بے تابیوں اور بے قراریوں کو اپنی وسعتوں کے آغوش میں چھپا لینے والی

یہ وہ محبتیں ہیں جنہیں صرف دیدہ ءبینا ہی پڑھ پاتے ہیں, دیکھ پاتے ہیں, سمجھ پاتے ہیں

ان کی تفہیم سطحی سوچ و عام جذبات رکھنے والوں کی بساط سے بہت دور ہوتی ہے

اس کا ادراک صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اس بحر کے غواص مشاق ہوں

جی ہاں

یہی محبت سب سے اعلی ہوتی ہے

سب سے زیادہ مسحور کن

اور سب سے زیادہ حساس و پر خلوص و باوفا

لیکن ہر ایک کے مقدر میں ہر گز نہیں

صرف قسمت والوں کو ملا کرتی ہے

اور خوش قسمت لوگ ہی اس کی قدر دانی کا حق ادا کرتے ہیں!!!

محبت کیا ہے دل کا درد سے معمور ہو جانا

متاع جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا

فیچر مضمون

ہم نے دشتِ امکان کو نقشِ پا پایا!

از: عائشہ خرم (ایڈمونٹن-البرٹا، کینیڈا)

اللہ میں کوئی چیز بھول نہ جاؤں۔ بیٹی کی شادی کا معاملہ ہے۔ پلیز اللہ جی اپنا کرم بنائے رکھیے گا۔(آمین) نماز فجر کے بعد بہت سی دعائیں مانگنا فریحہ کا روز کا معمول تھا اور آج کل تو اور بھی زیادہ خشوع و خضوع سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ دو دنوں کے بعد اس کی اکلوتی بیٹی کی شادی تھی، بہت سی دعائیں خود بخود دل سے نکلی جاری تھیں۔ اگرچہ بہت سی گھبراہٹیں خوشیوں کے ساتھ ساتھ تھیں لیکن ایک خیال سب چیزوں پہ حاوی تھا کہ بیٹی پرائی ہو جائے گی۔ اتنی مصروفیت ہونے کے باوجود چپکے چپکے بہانے بہانے سے بیٹی کے کمرے میں جا جا کر اسے دیکھتے رہنا فریحہ کا کام تھا اور یہی حال اس کے میاں ندیم کا بھی تھا۔ ابھی بھی یہی ہوا اس نے جلدی سے جاء نماز تہہ کی اور اپنی بیٹی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ گو کہ گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ ابو جی پاکستان سے کل رات ہی آئے۔ اس کی بیٹی ماہم نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی گلابی دوپٹے میں بہت ہی حسین لگ رہی تھی ۔ فریحہ کو دیکھتے ہی کہنے لگی "آیئے ماما" اس نے اپنے برابر میں بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔ "ایک بات پوچھوں؟" فریحہ نے کریدتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "ہاں! پوچھیں" ماہم نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "تم خوش تو ہو نا؟" اس نے کچھ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ "آپ کو کیا لگتا ہے؟" ماہم نے الٹا سوال کر دیا۔ "مطمئن اور خوش" فریحہ نے ہلکے سے جواب دیا۔ "تو پھر کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اس نے مسکرا کے پوچھا۔ "بس ایک بات کہنا چاہ رہی تھی۔" فریحہ کچھ مضطرب لگی۔ "ماما! میں خوش ہوں۔" اس نے شوخی سے جواب دیا۔ "ارے یہ نہیں! فریحہ ہنس دی۔ "دراصل میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی!" فریحہ کچھ دیر کو ہچکچا گئی۔ "دراصل میرا مطلب یہ تھا کہ ---- تم کسی کو ---- تمہیں کوئی پسند تو نہیں؟" آخر ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ "مطلب؟" ماہم کی حیرت بھری آواز آئی۔ "وہ دراصل ہم نے تمہاری منگنی اپنی مرضی سے کی اور تم نے کچھ نہیں کہا۔ اس لیے

پوچھا۔"فریحہ نے توجیہہ بیان کی۔ماہم ہلکا سا مسکرائی۔"ماما میں بہت خوش ہوں۔آپ نے اور پاپا نے میرے لیے جو بھی فیصلہ کیا ہے مجھے پورا یقین ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہمیشہ خوش رہوں گی کیونکہ میرے ساتھ آپ لوگوں کی دعائیں ہوں گی۔"وہ لمحہ بھر رُکی اور پھر کہنے لگی۔"جہاں تک بات ہے محبت کی وہ ایک فطری جذبہ ہے آپ اس جذبے کو حاوی ہونے سے روک نہیں سکتے۔یہ بس ہو جاتی ہے اور میرے خیال سے اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔برائی اس وقت ہوتی ہے جب آپ کچھ غلط کریں محبت میں۔"فریحہ کو ماہم اس وقت اپنی عمر سے کہیں بڑی اور سمجھدار لگی۔"اور ماما جہاں تک میری بات ہے میں نے جب جب آپ اور پاپا کو دیکھا میں نے آپ لوگوں پہ رشک کیا۔آپ دونوں کی محبت اور آپ دونوں کو خوش دیکھ کر میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ میں ارینج میرج ہی کرونگی۔اب آپ کو جواب مل گیا ماما؟"وہ ہلکا سا مسکرائی۔"بس ماما آپ دعا کیجیے کہ ہادی میرے لیے پاپا جیسا ہی ہو میرا بہت خیال رکھنے والا مجھ سے بہت محبت کرنے والا۔""آمین"فریحہ نے صدقِ دل سے کہا۔اب وہ بہت مطمئن تھی۔چلو میں تمہارے پاپا کے لیے چائے بنادوں۔وہ کمرے سے نکل رہی تھی تو ندیم نے آواز لگائی۔"آج آپ کو پتہ ہے کیا دن ہے؟""آج جمعرات ہے۔کیوں؟"فریحہ نے پوچھا۔" آپ کا جواب غلط آج ویلنٹائن ڈے ہے"ندیم نے ہنستے ہوئے کہا۔"تو آپ کیوں اتاؤلے ہو رہے ہیں یہ دن نوجوانوں کے لیے ہوتا ہے۔آپ جیسے بڑھوں کے لیے نہیں۔"فریحہ اور اس کے میاں میں ایسی ہلکی پھلکی نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔"میں آپ کے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں""ناشتے کا ٹائم ہے۔"پیچھے سے ہانک لگائی گئی۔ناشتے کی تیاریاں کرتے ہوئے پتہ نہیں کیوں اسے خیال آیا کہ اسے ابو جی سے معافی مانگنی چاہئے یا نہیں؟ماضی ایک کتاب کی طرح اس کے سامنے کھلتا چلا گیا۔

وہ صرف پانچ سال کی تھی کہ امی جان کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ بھی اتنا شدید کہ جان ہی لے گیا۔ابو جی نے دو مہینے ہی انتظار کیا اور دوسری شادی رچالی۔بڑے بھیا کا تو ردعمل شدید تھا۔شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور بڑے تایا کو کہہ سن کر ان کے پاس امریکہ چلے گئے۔15 سالہ بھیا پہ ابا کا کوئی بس نہ چل سکا۔لیکن وہ اور فرحان(اس کا چھوٹا بھائی)مجبور تھے کچھ نہ کر سکے۔سوتیلی ماں نے صرف سوتیلا پن ہی جتایا ماں بن کر پیار نہیں کیا۔خاندان والوں نے بھی ابو جی کا بائیکاٹ کر دیا تھا جہاں ابو جی کے لیے نفرتیں تھیں تو بچوں کے لیے محبتیں اُمڈی ہوئی تھیں۔شادی بیاہ یا فوتگی کے مواقع پہ خوب لپٹا لپٹا کر پیار کیا جاتا اس کی سوتیلی ماں کے خلاف اتنا بولا جاتا کہ اس کی نفرت اور شدید ہو جاتی۔اس کو ایسا لگتا کہ دنیا میں اس سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں ہے۔وہ اداسی کی جیتی جاگتی تصویر بن گئی تھی بھیا امریکہ میں اور فرحان اپنے دوستوں میں مصروف۔ابو جی سے چاہتے ہوئے بھی وہ بات نہ کر پاتی بس ایک خیال جو اس کی تنہائیوں میں ہمیشہ اس کے مسکرانے کا سبب بنتا تھا وہ تھا علی کا۔علی اس کا ماموں زاد تھا بچپن سے سنتی آئی تھی کہ وہ اس کا منگیتر ہے اس کے ماموں نے اس کے پیدا ہوتے ہی اس کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہنادی تھی کہ یہ تو میری بہو ہے۔

مامی کہیں بھی دیکھتی تو لپٹا کر کہتی میری بہو آگئی میری نجمہ (اسکی مرحومہ ماں) کی نشانی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علی سے اس کی محبت بھی شدید ہوتی گئی۔خاندانی تقریبات میں ایک دوسرے کو دور سے چپکے چپکے دیکھنے سے لے کر بات آگے بڑھی تو علی کی طرف سے تحائف دینا اور خط وکتابت کا سلسلہ بھی چل نکلا لیکن وہ چاہ کر بھی اسے کچھ نہیں دے سکی ابو جی کا خوف حاوی ہو جاتا۔جیسے ہی اس نے میٹرک کا امتحان دیا اس کے ماموں مامی رشتہ کی تجدید کے لیے آپہنچے لیکن ابو جی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ابھی تو میری بیٹی چھوٹی ہے اور آپ کا بیٹا کس قابل ہے جو آپ رشتہ لے کر آپہنچے ہر آئے دن نئی لڑکی کے ساتھ گھومتا ہے۔فریحہ کو بہت برا لگا ابو جی کو رشتہ نہیں کرنا تھا نہ کرتے لیکن علی کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کیوں کیں۔وہ تو صرف مجھ سے محبت کرتا ہے انہی دنوں علی نے اپنی اور اس کی مشترکہ کزن کے ذریعے ہاٹ میل آئی ڈی بھجوائی۔اس وقت پاکستان میں انٹرنیٹ

کیبل نیا نیا متعارف ہوا تھا لوگ ایک دوسرے سے یاہو اور دیگر مسینجرز سے رابطے میں تھے ان کے گھر میں بھی انٹرنیٹ کی سہولت تو تھی لیکن ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر ٹی وی لاؤنج میں رکھا تھا جہاں پرائیویسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لہذا چاہنے کے باوجود اس کا رابطہ نہ ہو سکا۔ پھر ایک دن علی نے موبائل سیٹ بھجوایا اپنی اسی کزن کے ذریعے کہ اب آرام سے بات ہو جائے گی۔ وائے قسمت، چھپانے کے باوجود امی کے سامنے ہی موبائل بج اٹھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ ابو جی نے کیا کہا کیا نہیں بس یہ الفاظ یاد رہے تم تو میرا فخر تھی پھر تم نے یہ کیوں کیا؟ وہ کچھ نہ کہہ سکی اپنی صفائی میں بس چپ چاپ اپنی قسمت کا فیصلہ ہوتا دیکھتی رہی۔ ابو جی نے اچانک ہی اسکا رشتہ طے کر دیا۔ "لڑکا ٹورنٹو میں ہوتا ہے اگلے ماہ آرہا ہے نکاح کر کے جائے گا پھر کچھ دنوں میں تمہیں وہاں بلالے گا۔" ابو جی نے دوٹوک بتا دیا تھا۔ "لیکن ابو جی علی" اس نے ہلکا سا احتجاج کیا۔ ابو جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دن بھی پر لگا کر اڑے اور اس کا نکاح ندیم سے ہو گیا اور اسی دن رخصتی بھی۔ بھیا آئے ہوئے تھے بھیا اور فرحان کے گلے لگ کر ایسا روئی کہ سب ہی ڈر گئے کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ ندیم کو اداس سی فریحہ بہت اچھی لگی ہر بات میں جی جی کہتی ان کے دل میں اترتی چلی گئی۔ ٹورنٹو جاتے ہوئے بہت سے وعدے کر کے گئے۔ ساس کے بہت سے کام خود بخود اپنے ذمہ لے لیے تو ان کی بھی چہیتی ہو گئی لیکن ان کو بھی کرید لگی رہتی میکے کیوں نہیں جاتی باپ فون کرتا ہے تم ادھر ادھر کیوں ہو جاتی ہو؟ وہ مسکرا کے کہتی آپ کے اکیلے پن کی وجہ سے نہیں جاتی۔ ایک دن ساس نے خود ہی کہا "بیٹا جب تمہاری ماں نے یہ شرط رکھی کہ نکاح کے دن ہی رخصتی تو حیرانی بہت ہوئی مجھے کہ کیسی ماں ہے لوگ تو سوچتے ہیں میاں باہر ہے بیٹی کو سسرال نہ جانے دیں اور ایک یہ ہیں کہ کہتی ہیں رخصتی کرواؤ نہیں تو رشتہ ختم سمجھو تو ہمیں پتہ چلا کہ تمہاری سوتیلی ماں ہیں، خیر تم ان سے نہ ملو لیکن باپ کا خیال تمہیں رکھنا چاہیے۔" وہ صرف سر ہلا کے رہ گئی۔ انہی دنوں اس کا ویزہ لگ کر آ گیا تو وہ کینیڈا چلی گئی۔ ندیم نے بہت محبت دی اور اس کا بہت خیال رکھا۔ کبھی کبھی تو اس کو لگتا کہ وہ کانچ کی گڑیا ہے۔ ماہم کے پیدائش کے بعد وہ اور بھی مصروف ہو گئے۔ ساس بھی ان ہی لوگوں کے پاس رہنے لگی تھیں۔ ابو کا پہلے تو بہت فون آتا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کی سرد مہری کی وجہ سے انہوں نے بھی رابطہ کم کر دیا اب فون آتا بھی تو ماہم سے ہی بات ہوتی تھی۔ کینیڈا جیسے ماحول میں ماہم کی اچھی تربیت کرنا ان دونوں میاں بیوی کے لیے ایک امتحان تھا جس میں وہ کامیاب تھے اور اس میں اللہ کی بہت بڑی مہربانی بھی تھی۔ سوشل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ کا محدود استعمال' نماز کی ادائیگی کی فرضیت ساتھ مل کر کھانا کھانا ٹی وی دیکھنا ان لوگوں کے روٹین میں شامل تھا۔ بیٹی کو انٹرنیٹ کی اچھائی برائی مثالیں دے کر اور قصے سنا کر سمجھائی، یہ نہیں کہا کہ انٹرنیٹ یا موبائل کا استعمال غلط ہے۔ ایک بڑا مرحلہ بیٹی کی شادی کا تھا وہ بھی اللہ کی مہربانی سے آسان ہو گیا۔ آمنہ جو کہ اس کے اسکول کی دوست تھی۔ اس سے سوشل نیٹ ورک کی بدولت اس کی بات ہوئی۔ اس کے بڑے بھائی کینیڈا میں ہی ہوتے تھے اور اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے تھے۔ آمنہ نے جب ماہم کو دیکھا تو فوراً اپنے بھائی اور بھابھی کو فریحہ کے گھر بھیجا۔ نازک سی اور سلجھی ہوئی ماہم ان لوگوں کو بہت پسند آئی۔ ہادی رحمان بھی ان لوگوں کی توقع سے بڑھ کر تھا۔ دونوں کو لگتا کہ ان کی کوئی نیکی کام آئی ہے۔ جہاں تک بات علی کی تھی تو خاندان والوں سے پتہ چلتا رہتا تھا کہ آئے دن کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ دیکھا

جاتا تھا۔ رہی سہی کسر انٹرنیٹ کی دوستیوں نے پوری کر دی تھی کسی لڑکی سے کورٹ میرج کیا تھا اس نے۔ اتفاق سے اس کی ایک کزن پچھلے دنوں کینیڈا آئی ہوئی تھی تو اس سے پتہ چلا کہ علی نے تو حد کر دی انٹرنیٹ اور موبائل پہ لڑکیوں سے دوستی سے بات آگے بڑھی تو کسی محترمہ سے شادی کر کے چلے آئے۔ بیوی نے غصہ کیا تو اس کو گھر سے نکال دیا وہ تو گھر اس کی بیوی نے بہت پہلے اپنے نام کر والیا تھا۔ بعد میں دوسری کو چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ دھوبی کا کتا جو ہو گئے تھے۔ "فَری" ندیم کی آواز اسے حال میں کھینچ کر لے آئی۔ "فائر الارم بجنے والا ہے۔" "کیوں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیونکہ چائے کا برتن" ندیم نے چائے کے ڈونگے کی طرف اشارہ کیا جہاں پانی سوکھ گیا تھا۔ "اوہ۔ سوری ندیم پلیز مجھے دو منٹ دیں میں ابھی آئی۔" آج لگتا ہے ناشتہ نہیں ملنا چلو بھئی ندیم میاں تم خود ہی چائے بنالو۔" "میں آرہی ہوں نا!" وہ عجلت میں کچن سے نکلی اور ابو جی جس کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کے دروازے پہ دستک دی۔ "ارے بیٹا آؤ آؤ۔" ابو جی قدرے حیران ہوئے، عرصہ ہوا اس نے تو ان کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا تھا اور آج اپنی غلطی بھی وہ مانتے تھے کہ ان کو اپنے بچوں کو اعتماد دینا چاہیے تھا لیکن ان کے ایک عجلت کے فیصلے نے انہیں اپنے بچوں سے دور کر دیا تھا ان کی دوسری بیوی کبھی بھی ان کے بچوں کی ماں نہیں بن سکی تھی یہی وجہ تھی کہ نواسی کی شادی میں بھی آنے سے انکار کر دیا تھا اور آج فریحہ ان کے سامنے سسکتی ہوئی کھڑی تھی۔ "کیا ہوا میرا بچہ کیوں رو رہا ہے؟" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور پھر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ "ابو جی! آپ پلیز مجھے معاف کر دیں۔" اس سے بمشکل بولا گیا۔ "ارے میرا بیٹا تم تو میری بہت اچھی بیٹی ہو تم کیوں معافی مانگ رہی ہو۔ بلکہ میں سوچتا ہی رہا کہ میں تم سے معافی مانگوں گا میں نے شاید تمہارا دل دکھایا۔" ابو جی نے اس کو گلے سے لگا لیا۔ "نہیں ابو جی آپ تو بہت اچھے ہیں اگر آج میں زندگی میں کسی قابل ہوں تو آپ کی وجہ سے ہی ہوں۔" اس نے یہ کہتے ہوئے سکون کا سانس لیا محبت واقعی ایک فطری جذبہ ہے۔ واقعی محبت ہو جاتی ہے۔ محبت کوئی جرم نہیں ہوتا یہ ایک بہت ہی پاکیزہ جذبہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی جذبہ یا چیز برائی میں اس وقت ڈھلتی ہے جب آپ اس کا غلط طریقے سے استعمال کریں اور اس کے بارے میں غلط سوچیں۔ اگر آج ہم اپنی اولادوں پہ پابندی کے بجائے ان کو صحیح اور غلط کا فرق سکھا دیں تو ہماری آنے والی نسلیں بھی سنور جائیں۔ آج اگر فریحہ کی بیٹی اپنے ماں باپ کو آئیڈیل سمجھ رہی ہے تو اس میں اس کے ماں باپ کا ایک بہت بڑا حصہ ہے جنہوں نے اس کی تربیت میں ہر بات کا خیال رکھا۔ والدین کو اپنے بچوں کا بہت اچھا دوست ہونا ضروری ہے ہر بات شئیر کرنا ان سے اور ان کو ہر چیز میں اعتدال سکھانا چاہئے۔ یہی ہمارے دین کی تعلیم بھی ہے۔

عورت کا حسن اس کی آنکھوں سے چھلکتا ہے اور یہی اس کے دل کو جانے والا دروازہ ہے جہاں اس کی محبت بستی ہے اسی لیے مردوں کو نگاہ نیچی رکھنے کی تاکید کی گئی اور اچانک پہلی نگاہ پڑ جانے کو نظر انداز کیا گیا لیکن دوسری نگاہ کو ناپسند فرمایا۔

محبت کا سائنسی و نفسیاتی جائزہ

از: ڈاکٹر فراز صدیقی (امریکہ)

محبت سے زیادہ لاینحل مسئلہ شاید ہی کوئی اور ہو۔ ہزاروں شاعر، لاکھوں فلسفی اس گتھی کو سلجھاتے سلجھاتے ختم ہو گئے مگر مسئلہ ہے کہ حل ہونے میں ہی نہیں آتا۔ واضح رہے کہ یہاں محبت سے مراد کسی معاشرے میں ایک مرد و عورت کے درمیان پیدا ہونے والی پسندیدگی ہے۔ نہ کہ وہ جذبہ جو فطری طور پر کچھ رشتوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس مضمون میں محبت کا سائنسی و نفسیاتی جائزہ لے کر اس کے صحیح معاشرتی رویے کی نشاندہی کی جائے گی۔

انسان حیاتیاتی طور پر دوسرے جانوروں کی طرح افزائشِ نسل کرنے پر فطرت کی طرف سے مجبور ہے۔ بلوغت کے کچھ عرصے کے بعد انسانی دماغ میں کچھ مخصوص کیمیکلز کا اضافہ ہوتا ہے۔ جو انسان کو لاشعوری طور پر آس پاس موجود جنس مخالف کی موجودگی کا احساس دلوانا شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر یہ احساس ایک مخصوص شخص کے بارے میں زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ جذبہ خالصتاً حیوانی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور کسی مخصوص شخص کی طرف رغبت معاشرتی یا مذہبی وجہ سے نہیں ہوتی۔ اس لیے اکثر لوگ حیران ہوتے ہیں کہ آخر ان کو فلاں شخص کس طرح اچھا لگ سکتا ہے۔ مناسب معلومات نہ ہونے کی وجہ سے یہ ناہمواری جذبے کی صداقت کی دلیل بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نوجوان لڑکے لڑکیوں کا فلمی ستاروں کا دیوانہ ہو جانا یا پھر "بچپن کی محبت" کو دلیل بنا کر تمام حدیں توڑ دینا معاشرے میں عام سی بات بن گئی ہے۔

نفسیاتی طور پر انسان دوسرے حیوانوں سے مختلف ہے۔ اس کو ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ عمر اور تجربے کے ساتھ نفسیاتی ہم آہنگی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ اس بات کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ فطرت نے ایسا نظام رکھا ہے کی حیاتیاتی اور نفسیاتی ضروریات ایک ساتھ جنم لیتی ہیں مگر گزشتہ سو دو سو برس سے انسان حیاتیاتی طور پر جلدی بالغ ہو رہا ہے۔ مگر نفسیاتی طور پر بچہ ہی رہتا ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرہ کئی طرح کی برائیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ بلوغت کے فوراً بعد شادی کا رواج تھا۔ جبکہ آج کل شادی ایک مسئلہ بن چکی ہے۔ ذات پات، فرقہ واریت سے لے کر اخراجات تک ہزاروں رکاوٹیں ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ معاشرتی مسئلہ صرف ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ مغرب ہم سے بہت پہلے اس مسئلے کا شکار ہو چکا ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیا جانا

چاہیے کہ یہ ایک بنیادی ضرورت ہے بالکل کھانے اور پانی کی طرح اور اس ضرورت کو صحت مندانہ طریقے سے پورا کرنا ہر معاشرے کی ذمہ داری ہے اور ہر انسان کا حق۔ بہرحال مغرب نے اس مسئلے کا حل دو طرح سے نکالا۔ ایک تو بوائے فرینڈ گرل فرینڈ کلچر کو قبول کر کے اور دوسرا طلاق کو اسان اور قابل قبول بنا کر۔

غور کیا جائے تو ہمارا معاشرہ بھی بالکل اسی طرح کی "سوشل چینجز" سے گزر رہا ہے۔ ایک طرف مادر پدر آزادی بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف حد سے بڑھتی ہوئی پابندیوں کا نام اسلام رکھا جا رہا ہے۔ جس طرح "کنزرویٹو عیسائیت" اس سیلاب کے آگے بند نہ باندھ سکی۔ بالکل اسی طرح یہ "مروجہ اسلام" بھی آخر کار ناکام ہو گا۔ ہمارا نوجوان نسل سے مطالبہ ہے کہ وہ پاکباز رہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مخلوط تعلیمی نظام بھی ہے۔ انٹرنیٹ، چیٹ روم بھی ہیں، فیس بک انسٹاگرام بھی ہے، کالج یونیورسٹیز میں تقریبات بھی ہوتی ہیں، شادی بیاہ اور مہندی میں آزادانہ کلچر بھی ہمیں قبول ہے تو آخر یہ آگ پانی کا کھیل کس انجام تک پہنچے گا؟ یہ جاننے کے لیے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں ہے۔

اس مسئلے کا پہلا اور سب سے بڑا حل تو یہ ہے کہ ہم اپنے رویے بدلیں۔ ماں باپ اپنے بچوں میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کریں اور ان میں اتنا اعتماد پیدا کریں کہ وہ اپنے سوال و جواب دوستوں اور انٹرنیٹ کی بجائے والدین سے پوچھ سکیں۔ ان میں صحیح جیون ساتھی کی پہچان پیدا کریں۔ اگر قران مجید ہی ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھا دیا جائے۔ تو عورت و مرد کی باہمی کشش اور اس کے بارے میں صحیح رویے کی طرف کافی ہدایت ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے لیے آزادانہ تفسیر کی ضرورت ہے۔ نہ کہ جنوبی ایشیا کے مخصوص کلچر میں رنگی ہوئی تفسیر کی۔ نکاح اور طلاق دونوں کو آسان بنائیں۔ ایسا ماحول پیدا کریں کہ نوجوان اپنے بزرگوں سے اپنے نکاح کی بات کر سکیں۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو نازک معاملات اور جذبات کے بارے میں بتا سکے۔ اور ان چیزوں کو ضروریات انسانی کے تحت سمجھا جائے نہ کہ خوامخواہ کی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے چور دروازے ڈھونڈے جائیں۔

محبت کیسے کریں۔۔۔۔۔۔۔۔؟ مفتی اسماعیل مینک

کسی سے محبت کرنے کو اسلام ہرگز حرام نہیں کہتا، اور نا ہی کسی کو حاصل کرنے کی آرزو سے منع کرتا ہے بلکہ یہ صرف آپ کی رہنمائی کرتا ہے کہ محبت اس طریقے سے کریں جس سے آپ کے، آپ کے محبوب / محبوبہ اور دونوں کے خاندانوں کی حفاظت اور عزت کو ملحوظِ خاطر رکھا جاے۔ اگر آپ واقع کسی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں تو پھر آخر غلط اور سوالیہ قسم کے تعلق قائم کر کے ہی کیوں جبکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ایسا تعلق دنیا و آخرت میں آپ کی اور آپ کے محبوب کی رسوائی کا سبب بن سکتا ہے۔ آپ کی محبت اگر خلوصِ نیت پر مبنی ہے تو ایک دوسرے کو ایسی رسوائی اور تباہی سے بچانے کا باعث ہونی چاہیے۔

محبت میں جھکاؤ

از: انیلہ عارف (فتح جنگ)

انسانی وجود بہت سے مثبت اور منفی جذبات سے مل کر بنا ہے۔ کچھ جذبات ہیں تو مثبت لیکن ان کے زیرِ اثر کیا جانے والا عمل ان کو منفی بنا دیتا ہے اور یہی عمل قابلِ غور ہے۔ ان سب جذبات پر نہ صرف غالب بلکہ خوبصورت ترین جذبہ محبت کا ہے۔ محبت ہر رشتے کا حسن ہے۔ چاہے یہ رشتہ والدین اور اولاد کے درمیان ہو یا میاں بیوی کے درمیان۔ یہ ایک فطری چیز ہے جو ہمارے اندر سے پھوٹتی ہے اور ہمیں اپنے حصار میں لیے لیتی ہے۔ ایک وہ محبت ہے جو مخالف صنف سے کی جاتی ہے اور ایک وہ ہے جس میں صنف کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ محبت اکثر انسان کو اپنی ہی صنف سے ہوتی ہے۔ یہ محبت پہلی محبت سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ محبت انسان کو اپنے دوست سے یا پھر اپنے استاد سے ہو جاتی ہے۔ یہ محبت کوئی غلط چیز نہیں مگر کئی لحاظ سے ایک نارمل عمل نہیں۔ انسان حد سے زیادہ اپنے محبوب پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ اس سے امیدیں باندھنے لگتا ہے۔ اس سے جڑا رشتہ اس کے لیے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور وہ تعلق جو ایک انسان کا اپنے رب سے ہونا چاہیے ایک انسان سے بنا لیتا ہے۔ اس کی ہر خوشی غمی اس کے محبوب سے منسلک ہو جاتی ہے۔ اس کا محبوب بات کرے تو وہ خوش ہو جاتا ہے اور جب اس کا محبوب اس کو نظر انداز کرتا ہے تو یہ اس کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے بات نہ کرے تو اسے بے چینی ہوتی ہے۔ اپنے ہر کام کے لیے اس کی نظر اپنے محبوب کی طرف اٹھتی ہے۔ وہ کوئی قدم بھی خود سے نہیں اٹھاتا، ہر عمل کے لیے اس کی رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ خود اندھا، بہرا اور ایک معزور انسان بن جاتا ہے، بس اس کے سہارے چلتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایک نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ اور اسی لیے یہ محبت نارمل نہیں۔

ایک مومن کے لیے سب سے بڑھ کر اس کے رب کی ذات ہوتی ہے۔ وہ صرف اپنے اللہ پاک پہ انحصار کرتا ہے۔ اس کی خوشی اور غم کا محور صرف اللہ پاک کی ذات ہے۔ اس کی نظر صرف اپنے اللہ پاک کی طرف اٹھتی ہے۔ اور وہ سب سے بڑھ کر اللہ پاک سے محبت کرتا ہے اور اللہ پر توکل کرتا ہے۔ اور اللہ پاک کی ذات اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔

دوسروں سے محبت کرنا اور انہیں اہمیت دینا کچھ برا نہیں لیکن ایک حد کے اندر۔ کیونکہ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

وہ آخری قدم

از: انیتا افضل (گجرات)

امی کل میرے سکول میں فنکشن ہے سب بچوں نے گھر سے لنچ لے کر آنا ہے آپ مجھے فرنچ فرائز اور میکرونی بنا دیں گی؟ فاطمہ نے جس قدر لاڈ سے فرمائش کی تھی، وہ فرمائش سن کر کھلے دل سے مسکرا دی تھی۔ کیوں نہیں میرا بچہ۔ اماں اپنے بچے کو ساری چیزیں بنا دے گی لو یو امی جی! نوال نے ہامی بھری تو فاطمہ کے چہرے پر خوشی کے بکھرتے رنگ دیکھ کر اسے طمانیت کا احساس ہوا تھا نوال دو بچیوں، اپنے شوہر اور ساس کے ساتھ ایک چھوٹے لیکن نفاست سے سجے گھر کی مکین تھی جسے بقول احمد کے، نوال نے جنت بنا دیا تھا احمد بہت محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ اس نے نوال کو کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ محبت بھرے پاکیزہ بندھن میں بندھ جانے کے باوجود پہلی محبت کی کسک نے اسے کبھی بھی مکمل خوش نہیں ہونے دیا پر سکون اور خوشگوار ازدواجی زندگی کے باوجود اسے اپنی ذات میں کمی سی لگتی اپنے وجود کا یہ خالی پن اب اس کی زندگی کا ناسور بنتا جا رہا تھا۔

چاند کی چودھویں رات ایک بار پھر اس کے اعصاب کا امتحان لینے کے لیے قریب آ رہی تھی۔ خود پر جبر کرتے ہوئے وہ، چاند دیکھنے سے حتی الامکان گریز کرتی تھی کہ وہ "اِس کی" یاد دلاتا تھا۔ لیکن چھت پر پورے چاند کو دیکھنے کے لیے آج وہ آ ہی گئی تھی سات سال پہلے یہی رات تھی جب اس نے اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ کیا تھا ایسا فیصلہ، جس نے اسے پستی کے گھڑے میں گرنے سے بچا لیا لیکن زندگی بھر کے لیے ایاز نامی وہ شخص جو اس کی پہلی محبت، پہلی نادانی تھا، کانٹا بن کر اس کے دل میں ہمیشہ چبھتا رہا وہ وقت آج بھی یاد آتا تو وہ جھرجھری لے کر رہ جاتی، گھر کی دہلیز پر رکھا اس کا آخری قدم، چوکھٹ پار کرتے، ایک قدم کی دوری کے ساتھ ہی اس کی منزل اس کے سامنے تھی لیکن اسی چوکھٹ کے پار، اسی ایک قدم کے فاصلے پر موت تھی اس کے پاکیزہ کردار کی، ماں کی عزت کی موت، بمشکل زندگی کی گاڑی گھسیٹنے والی، خودداری اور باعزت طریقے سے زندگی گزارنے والی اس کی ماں کی موت۔

زندگی کسی فلم کی مانند اس کے ذہن کے پردے پہ لہرائی تھی، ایک قدم باہر نکالنے سے اسے کیا مل جاتا؟ وہ شخص جو خود بیروزگار تھا اسے کیا دیتا؟ جو خود باپ کی کمائی عیش میں اڑا دیتا، کیا وہ شخص اسے عزت دینے کے قابل تھا؟ جس کی محلے بھر میں کوئی عزت نہیں کرتا تھا کوئی اپنی بیٹی دینے کو تیار نہ تھا۔ لیکن نوال کی آنکھوں پر محبت، اندھے اعتبار اور حسین خوابوں جیسی پٹی بندھی تھی کہ وہ کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھی۔ وہ اس دین کی پیروکار تھی جس میں غیر محرم سے نرم آواز میں بات کرنے سے بھی منع فرمایا گیا، ماں نے بیوہ ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا، اور ہمیشہ اپنی بیٹی کو یہی

سکھایا کہ حلال کی آدھی روٹی بھی پوری ہو جاتی ہے اور حرام کی پوری سے بھی پیٹ نہیں بھرتا۔ پوری رات گھر کی دہلیز پر کھڑے اُس آخری قدم کے بڑھنے یا پیچھے لوٹ جانے کا فیصلہ کرنے میں گذر گئی۔ اچھی زندگی گزارنے کے جو حسین خواب ایاز نے اسے دکھائے تھے ان خوابوں پر پہلی چوٹ اس وقت پڑی جب رات کی سیاہی کو دن کے اجالے بخشنے والی اس پاک ذات کے گھر سے بلاوا آیا وہ ذات جو اس کی ہر سانس پر اس کے ساتھ تھی بھلا اتنے مشکل فیصلے پر اس کا ساتھ کیوں نہ دیتی۔ فیصلہ اُس کے دربار میں ہو گیا تھا جب مؤذن کی سحر انگیز آواز میں اذانِ فجر کی صدا بلند ہوئی تھی اللہ سب سے بڑا ہے چلے آؤ فلاح کی طرف، یہ احساس ہی اسے زندگی کی نئی رمز سے آشنا کروا گیا۔

وہ آخری قدم واپس لے آئی تھی اس دنیا میں، جہاں اس کی ماں تھی اس سے جڑی اس کی ماں کی خوشیاں تھیں۔ وہ مطمئن ہو گئی تھی اور اس اطمینان کو تقویت تب ملی جب بغیر کسی جہیز اور فضول رسم کی ادائیگی کے، اس کا نام احمد کے نام کے ساتھ جڑا تھا۔ گرداب میں پھنسی کشتی کنارے لگ گئی تھی لیکن نفس کے نام پہ دل میں چھپے اس بھیڑیے نے ایک بار پھر سر اٹھایا تھا اور اب کچھ عرصے سے وہ پھر سے بے سکونی کا شکار ہو گئی تھی۔ طبیعت میں چڑچڑا پن نمایاں ہو رہا تھا اور بولتے بولتے خاموش ہو جاتی۔

وہ ناشکری ہو رہی تھی، پاتال میں گرنے سے بچانے والی ذات جس نے اس پر اتنی نعمتوں کی بارش کر دی شاید وہ وہ اس پاک ذات سے گلے کرتی ہی اس دنیا سے چلی جاتی اگر اس دن اپنی ماں سے ملے چند جوڑے جو انہوں نے اپنے زمانوں کے سنبھال کر رکھے تھے جو اس نے پرانے وقتوں کا فیشن کہہ کر مسترد کر دیئے تھے آج جب وہی فیشن اپنی انہی رعنائیوں سمیت لوٹ آیا تو اس نے ان کپڑوں کے ٹرنک کو کھول کر وہ کپڑے نکالے جنہیں سلیقے سے اخباریں لگا کر پیک کیا گیا تھا اخباریں اتارتے ہوئے ایک خبر پر نظر پڑی اور وہیں تھم گئی۔

اخبار کے ایک کونے میں لگی اس خبر نے اسے ہر شے سے بیگانہ کر دیا۔ وہ اخبار اس رات سے اگلے دن کا تھا جو رات اس پر سب سے بھاری گذری تھی۔ وہ انکشاف کا لمحہ تھا جس نے اسے اپنی جگہ پر منجمد کر دیا، پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی وہ اخبار کا یہ ٹکڑا دیکھتی کبھی آسمان کی جانب۔ خبر کا متن کچھ یوں تھا کہ پولیس کو انتہائی مطلوب شخص بدنام زمانہ اشتہاری ایاز لڑکیوں کی اسمگلنگ میں ملوث تھا جو آج ایک کامیاب چھاپے میں پولیس کے ہاتھ لگ گیا خبر تھی یا کوئی طوفان جو آ کے گزر گیا۔ اس کے رب نے کرم کی انتہا کر دی تھی، رب سے محبت کا لطیف سا جذبہ اس کے دل میں جاگا تھا۔ اتنے عرصے سے ناشکری کرنے والی نوال کی آنکھیں ندامت کے اشکوں سے وضو کر رہی تھیں آنسو اس کی گالوں کو دھو رہے تھے۔ شکر کے آنسو، خوشی کے آنسو، اللہ کے کرم پر وہ جتنا شکر ادا کرتی اتنا کم تھا آگہی ہر وقت عذاب نہیں ہوتی کبھی کبھار آگہی نعمت بن جاتی ہے یہ ہم انسان ہی ہیں جو اللہ کے کرم، اس کی محبت، اس کی مصلحت کو سمجھ نہیں پاتے اور وہ تو ہمیں بچاتا ہے شیطان کے وار سے، یہ ہم ہی ہیں جو بخوشی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں اللہ ہم سب کو درست فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

تعلقات

از: ام مریم (لاہور)

کسی کی مخصوص خوبیوں یا شخصیت سے متاثر ہونا سراسر ایک فطری عمل ہے اور جب انسان کسی جنسِ مخالف کی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے لیے عزت و محبت کے جذبات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب ایک کیفیت تو کسی کی اچھائیوں سے متاثر ہو کر اس کے لیے عزت و محبت کے عمومی جذبات محسوس کرنا ہے جس میں کہ رومانس یا شہوت کا عنصر شامل نہیں ہوتا، یہ جذبات حصولِ علم کی خاطر کسی استاد سے بھی وابستہ ہو سکتے ہیں، کسی لیڈر سے بھی یا دیگر لوگوں سے بھی۔ اور دوسری قسم کی کیفیت وہ ہے جس میں ان جذبات کے ہمراہ شہوت کا عنصر بھی ہو۔ اب انہی دونوں قسم کی کیفیات کے نتیجے میں دو مختلف قسم کے تعلقات وجود میں آتے ہیں۔ پہلی قسم کے جذبات پر اس شخصیت کے ساتھ اختلاط کی حدود میں رہتے ہوئے، اس کا حال احوال دریافت کرنے، تحفے تحائف دینے، علم و اچھائی سیکھنے، جائز امور میں اسے ممکنہ مدد فراہم کرنے اور اسی طرح کے دیگر کاموں کی خاطر تعلقات وجود میں آتے ہیں، جبکہ دوسری قسم کی کیفیات جب کسی کے بارے میں ہوں تو ان کیفیات کی بنا پر میل جول عمومی طور پر سیکرٹ کالز، میسیجنگ، چیٹنگ، خفیہ ملاقاتیں اور ان سب کے دوران رومینٹک گفت و شنید وغیرہ پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ نا محرم سے تعلقات کی دو اقسام ہیں۔ ایسے تعلقات جو مخفی نہ ہوں اور جائز وجوہات کی بنا پر اختلاط کے آداب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پروان چڑھیں اور ان کا انجامِ کار کسی برائی پر نہ ہو اور دوسرے ایسے تعلقات جو پوشیدہ آشنائی پر مبنی ہوں اور ان کا انجام برائی ہو۔

صحیح اور غلط کا تعین کرنے کے لیے اللہ تعالی نے انسان کو متنبہ کرنے کی خاطر اس کے باطن میں بھی انتظام فرمایا اور وحی و انبیاء کے ذریعے سے ہدایت و رہنمائی کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔

حدیثِ میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نیکی حسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں کا اس سے واقف ہونا تجھے نا پسند ہو۔" (ترمذی)

اگر حدیثِ مبارکہ پر غور کریں تو تعلقات کی دونوں اقسام کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے۔

ابن القیم رحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو محبت کسی ایسی وجہ کے باعث ہو گئی ہے (پروان چڑھتی ہے) جو حرام نہیں تو اس کی بنا پر وہ شخص گناہ گار نہیں ہوتا۔ (روضۃ المحبین)

میرا محبوب

از: ڈاکٹر آسیہ رشید (لاہور)

تمہیں پتہ ہے میرا محبوب میرے پاس ہر لمحہ رہتا ہے۔

وہ کیسے؟

کیا وہ آپ سے راضی رہتا ہے ناراض کبھی نہیں ہوا؟

نہیں

وہ کیسے؟

یہ تو اس کی عطا ہے

کسی نے مجھ سے پوچھا۔

محبت اظہار محبت مانگتی ہے تو آپ کیسے اظہار محبت کرتے ہو؟ کیوں کہ میرا محبوب تو مجھے کہتا ہے کہ اظہار محبت ضروری نہیں۔

میں نے کہا، سنو! میں روز ایک ٹیبل پڑھوں اپنے محبوب کو پکار کر کہ مجھے تم سے محبت ہے: اور عمل میں کھانا تقسیم کروں یا دنیاوی محبوب ہو تو اسے بنا کر کھلاؤں اگر نظر نہ آنے والا محبوب ہے تو جو اس کو پسند وہ کروں جیسے اسے پسند ہے کہ میں پانی پلاؤں کسی کو پریشان نہ کروں دل آزاری نہ کروں

اللہ تعالی سے محبت کا یہ عالم دل میں کیسی سرشاری بھر دیتا ہے کہ وہ میرے پاس ہے، بالکل پاس!

جب میں کھڑی ہوں بیٹھی ہوں اور میرے وجود کی توانائی بتا رہی ہے کہ وہ مجھے تھامے ہوئے ہے۔

کھا پی رہی ہوں تو ذائقہ بتا رہا ہے کہ وہ مجھے بھولا نہیں ساتھ ہی موجود ہے شکریہ سننے کے لیے۔

کائنات کے رنگ دیکھ رہی ہوں تو رنگوں کی وضاحت کر رہا ہے، ہر رنگ میں اس کا اپنا رنگ جھلک رہا ہے۔

کتنا دل خوش کن خیال ہے کہ جو چیز میں نے دیکھی وہ اللہ نے انگلی رکھ کے دکھائی اور خود بھی دیکھی، جو میں دیکھ رہی ہوں وہ بھی دیکھ رہا ہے۔

میرے وجود کو اپنا احساس دلا رہا ہے۔

میں سو جاتی ہوں تو وہ جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ وہ میری حفاظت کرتا ہے۔

مجھے پیار سے دیکھتا رہتا ہے میرے جاگنے سے پہلے جو بھی میری ضروریات ہیں ان کا انتظام کرتا ہے۔

میں سانس لیتی ہوں تو مجھے وہ اذا نفخت روحی کا احساس دلاتا ہے۔

اپنے بابا آدم کے پتلہ خاکی میں روح پھونکے جانے پہ زندگی کا احساس یاد دلاتا ہے اور یہ احساس کہ میں اسی پتلے کا حصہ ہوں مجھے نئی تازگی دیتا ہے۔

اپنے اللہ کے قریب ہونے کا گمان اور بڑھ جاتا ہے شہ رگ سے قریب ہونے کا یقین فزوں تر ہو جاتا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان العظیم

اے اللہ تیری یہ عاجز۔ خطاکار بے بس بندی تیرے سارے ناموں کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہے کہ اس دنیا سے رخصتی کے وقت آخری لمحوں میں اپنے قرب کے احساس سے سرشار رکھنا، اپنے "وجہ کریم" پہ میرے لیے مسکراہٹ ہی رکھنا میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔

مجھے آواز دینا

یاایتھا النفس المطمئنہ الرجعی الی ربك راضیة مرضیہ

فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

آمین۔

...

محبت انعام اور سزا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ از: عظیم الرحمن عثمانی (انگلینڈ)

ایک صاحب کے تین بیٹے تھے، انہوں نے تینوں کو جمع کیا اور کہا کہ "بچوں! میں چاہتا ہوں کہ تم خوب دل لگا کر پڑھو، تم میں سے جو میری اس خواہش کو مان کر محنت کرے گا اور اچھے نمبروں سے پاس ہو گا اسے میں اس کی من پسند چیز دلاؤں گا اور اپنی جانب سے بھی بہت سا انعام دونگا۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی دل لگا کر نہ پڑھے گا تو پھر اسکی سخت سزا پائے گا!"۔ اب ان تینوں میں سے پہلا بچہ اس لالچ میں پڑھتا ہے کہ پاس ہونے پر ڈھیروں انعام حاصل ہو گا، دوسرا بچہ اس خوف سے محنت کرتا ہے کہ پاس نہ ہو سکا تو بڑی مار پڑے گی اور تیسرا بچہ کہتا ہے کہ مجھے انعام کی لالچ یا سزا کے خوف سے کہیں زیادہ اپنے باپ کی خوشنودی درکار ہے۔ لہٰذا وہ صرف اس لیے پڑھتا ہے کہ وہ اپنے والد سے پیار کرتا ہے اور ان کی بات نہیں ٹھکرا سکتا۔ جب نتیجہ آتا ہے تو کیونکہ تینوں نے دل لگا کر پڑھا ہوتا ہے، اس لیے سب پاس ہو جاتے ہیں اور اپنے باپ کی نظر میں کامیاب قرار پاتے ہیں۔ آپ یہاں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ شائد تیسرا بیٹا بقیہ دو بیٹوں سے زیادہ اچھا تھا اور باپ اسے شائد سب سے زیادہ پیار کرے مگر اس تیسرے کی کامیابی سے باقی دو کی ناکامی ثابت نہیں ہوتی۔ یہی عالم انسان اور اس کے رب کا ہے۔ ہم میں سے کوئی جنت کی چاہ میں نیکی اختیار کرتا ہے، کوئی جہنم کے خوف سے تقویٰ اپناتا ہے اور کوئی بس اپنے رب سے ملاقات کی لگن میں پاکیزہ رہتا ہے۔ آخرت یعنی روز جزاء میں ان تینوں کے درجات میں تو فرق ہو سکتا ہے مگر کامیاب یہ تینوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ شرط بس یہ ہے کہ اعمال اخلاص اور ٹھیک سمجھ پر مبنی ہوں۔

محبت خیر خواہی ہے

از: حنا تحسین طالب (کراچی)

وہ ایک اُجلی صبح تھی, جب پہلی بار اس کی توجہ اپنے ہم جماعت فواد کی جانب گئی۔

یونیورسٹی کا ایک ادنی سا بوڑھا ملازم اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا اور وہ ملازم کا کندھا تھپکاتا، مسکراتا ہوا یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا "اس کی ضرورت نہیں، آئندہ بھی میں آپ کے کام آسکوں تو مجھے خوشی ہوگی، کوئی بھی مسئلہ ہو تو بابا مجھے ضرور بتانا"!

اور وہ اسی لمحے کی اسیر ہوگئی تھی،وہ متحیر اور پریشان تھی کیونکہ فواد کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی، کم از کم وہ تو اس سے قبل اسے ایک امیر گھرانے کا بگڑا ہوا غیر سنجیدہ نوجوان سمجھتی تھی، جو مذہب، زندگی، دنیا و آخرت ہر معاملے کو مذاق میں اڑا دیا کرتا تھا۔

میوزک گروپ کا بہترین گلوکار اور گٹارسٹ تھا، جو کافی حد تک مذہب بیزار تھا -

پھر بھی وہ بحیثیت انسان اس کی عزت کرتی تھی، مگر اس کی شخصیت کا یہ پہلو اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

نور الھدی بہت دل گرفتہ تھی، وہ جو اپنی نگاہوں کی ہمیشہ حفاظت کرتی، باحجاب اور باعمل مسلمان تھی، اسے ایک مذہب بیزار شخص سے محبت!

اسے ابراھیم علیہ السلام کا اسوہ یاد آتا جنھوں نے اپنے والد کو شیطان کی دوستی / محبت سے یہ کہتے ہوئے روکا کہ "شیطان، رحمن کا نافرمان ہے۔"

تو اسے رحمن کے نافرمان سے محبت کیسے ہوگئی؟ اس کے دل میں تو سدا رحمن کی محبت رہی تھی، وہاں نافرمان کا کیا گزر! مگر وہ خدا سے اچھا گمان ہی رکھتی تھی۔

اس کی تہجد، دعاؤں اور تعمیری امور، خدمت خلق کا دورانیہ بڑھ گیا تھا، وہ جانتی تھی کہ ہر جذبہ اپنے اندر زبردست توانائی رکھتا ہے اگر اس کا مثبت استعمال کیا جائے تو شاہکار تخلیق ہوتے ہیں ورنہ وہی توانائی زہر بن کر پورے وجود کو کھا جاتی ہے، اسے اپنے وجود کو جو کہ اللہ کی امانت تھا، اسے اس سرطان سے بچانا تھا۔

اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وہ قول یاد آجاتا جب ایک شخص ان کے پاس ایسا ہی ایک مسئلہ لے کر آیا تھا، اس کی نظر ایک عورت پر اتفاقی پڑی اور اسے اس سے محبت ہوگئی تھی، تو عمر بن خطاب نے فرمایا "یہ وہ چیز ہے جس پر انسان کا اختیار نہیں"

سو اسے اطمینان تھا کہ پہلی غیر ارادی نظر پر تو پکڑ نہیں مگر اراداً نظر ڈالنے پر پوچھ ہے، انسان پھر کون سا راستہ منتخب کرتا ہے؟ نفس کی تسکین کا یا رب کی رضا کا !

اور اس نے رب کی رضا کو چن لیا تھا جو وہ ہمیشہ کرتی آئی تھی -

وہ ہر بار اپنی لاحاصل تمناؤں ، اور منفی جذبات کو اپنے دل میں دفن کر دیا کرتی، اور ہر بار ان مدفون جذبات و تمناؤں سے اخلاق و عمل کی ایسی کونپلیں پھوٹتیں کہ دن بدن اس کی شخصیت سنورتی جا رہی تھی-

اس کا ماننا تھا کہ حقیقی محبت خیر خواہی کا نام ہے، سو وہ بھی اس کے لئے دن رات دعا کرتی کہ "اے اللہ! اپنے بندے کو ہدایت عطا کر، اسے جہنم سے بچا لے"

اور وہ آج تہجد میں پھر سے یہی دعا مانگ رہی تھی، کتنے پہر گزرے رات کتنی سرد تھی اسے احساس نہ تھا، وہ لاعلم تھی کہ یہی لمحہ کسی دوسرے انسان کے لئے انقلاب کی ابتداء تھا

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تھی، وہ سمجھ نہیں پایا کہ رات کا کونسا پہر ہے، شدید سردی کے باوجود اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا- اور اب یہ کچھ عرصے سے معمول ہو چکا تھا، کبھی خواب میں کوئی غیبی آواز اسے پکارتی، فلاح کی طرف بلاتی، تو کبھی وہ خود کو آگ کے کنارے دیکھتا، جہاں کوئی مسلسل اسے آگ سے بچانے کے لئے پیچھے کی طرف کھینچتا۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے نورالہدیٰ سے مزید (خود ساختہ) چڑ ہوتی جا رہی تھی- یہ بے خوابی کا سلسلہ تبھی سے شروع ہوا تھا، جب سے نور نے اپنی جماعت میں اسلام کا صحیح رخ (اور فواد کے مطابق خوشنما جال) واضح کرنا شروع کیا-

اور اس کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر کئی لڑکے اور لڑکیوں نے نماز اور قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا تھا- گرچہ فواد کا دل بھی نور کی باتوں کی طرف مائل ہوتا، مگر وہ خود کو یقین دلاتا کہ اپنے مقصد میں کامیابی کے بعد یہ اخلاق کا لبادہ اتار پھینکا جائے گا اور ایک مذہبی جنونیوں کا گروہ ظاہر ہو گا جو دوسروں کی تحقیر کرے گا -

ایک دن اپنی کلاس کی جدید فیشن کی دلدادہ لڑکی سے فواد نے ازراہِ تمسخر پوچھا، تم نور سے اسی حلیے میں ملتی ہو بھلے قرآن ہی کا سبق لیتے وقت چادر لیتی ہو مگر بعد میں تو اسی طرح گھومتی ہو، نور تمہیں حقیر نہیں سمجھتی؟ لڑکی نے مسکرا کر جواب دیا "وہ کسی کو حقیر نہیں سمجھتی، نہ دوسروں کو نہ خود کو، دوسروں کی عزت سب کرتے ہیں اس نے ہمیں اپنی ذات کی عزت کرنا بھی سکھائی، مجھے تو کبھی احساس بھی نہیں ہوا کہ میں بظاہر اس سے مختلف ہوں"

اور کچھ دن بعد وہی لڑکی سب کو سکارف میں نظر آنے لگی-

اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، جب کسی غلط کام کا ارادہ کرتا انقباض نفس کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور پھر وہ کام نہ کر پاتا-

---

وہ رمضان کی اکیسویں شب تھی، جب وہ بے مقصد اپنی کار دوڑاتا ایک مسجد کے سامنے جا رکا، کچھ دیر مسجد کو دیکھنے کے بعد کسی معمول کی طرح وہ مسجد میں چلا آیا- بہت سے لوگ عبادت میں مشغول تھے، کوئی تلاوت قرآن تو کوئی سجدے میں، کوئی رب کے سامنے ہاتھ پھیلائے رو رہا تھا، ہر ایک دوسرے سے بے نیاز الگ دنیا میں لگتا-

اب تو اسے وضو کا طریقہ بھی یاد نہ تھا اس نے ایک شخص کو دیکھ دیکھ کر وضو کیا اور قرآن لے کر ایک کونے میں بیٹھ کر

براہ راست قرآن پڑھنے لگا- والد کی عرب ممالک میں پوسٹنگ کی بدولت وہ عربی سمجھتا تھا، نہ بھی سمجھتا تو ترجمہ موجود تھا-

وہ دھیرے دھیرے پڑھتا گیا، پہلے جہنم کی آیت پر اس نے گھبرا کر قرآن بند کر دیا، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ کھولا تو یہ آیت جگمگانے لگی "میرے بندوں سے کہہ دو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ سارے گناہ معاف کر سکتا ہے" - اور پھر کلام الہٰی کی ٹھنڈی پھوار اس کے جلتے دل پر گرنے لگی -

اس کا وجود شدت تاثر سے ہولے ہولے کانپ رہا تھا -

وہ کتنا دور تھا اس خوبصورت کلام سے! تب اسے نور ایک بہ روپیہ نہیں بلکہ ایک سچی مسلمان لگی- اس نے قرآن کو کسی قیمتی متاع کی طرح سینے سے لگا لیا، وہی لمحہ تھا جب فواد نے قرآن کو سرمایہ حیات مان لیا تھا -

اب اس کے دن رات قرآن سمجھنے میں صرف ہوتے- اس کے عزیز و اقارب سب ہی اس کی پلٹتی کایا سے حیران تھے-

پھر ایک دن اس نے اپنی شادی کے لئے نور کا نام لے کر سب کو حیران کر دیا، اس کے سب ہی قریبی لوگ نور کو جانتے تھے، وہی نور جس سے فواد کو شدید چڑ تھی-

---

احمد صاحب میں آپ کی فکر سمجھ سکتا ہوں، مگر وہ لڑکا بدل گیا ہے اور دل کا تو وہ کبھی برا تھا ہی نہیں، اس کو جاننے والے سب ہی اس کی نرم دلی کے معترف ہیں- وہ بس کچھ مخصوص رویوں سے دلبر داشتہ تھا، غلط فہمی میں اسلام کو ہی غلط سمجھنے لگا تھا-

ابراہیم صاحب جو نور اور فواد کے استاد تھے اور احمد صاحب کے قریبی دوست بھی، وہ آج انہیں سمجھا رہے تھے -

"وہ نور بیٹی کی بہت عزت کرتا ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے"

وہ اس سنت پر عمل کر رہے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی سفارش کی تھی، کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے علیحدہ نہ ہوں، کیونکہ حضرت مغیث رض اللہ عنہ ان سے نہایت محبت کرتے تھے- اور احمد صاحب قائل ہوگئے

تھے۔

"نور بیٹی! وہ تمہیں بہت عزت سے رکھے گا وہ ایک اچھا لڑکا ہے اور بہت بدل چکا ہے"

احمد صاحب نور سے فواد کے سلسلے میں بات کرنے آئے تھے اور اب اسے رسانیت سے سمجھا رہے تھے۔

اور نور کو تو اس بات پر کوئی شک ہی نہیں تھا، اسے رب پر یقین تھا اور آج وہ مزید بڑھ گیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس کے ارد گرد روشنی پھیلا رہا تھا، کہ: جس نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے کوئی چیز (برائی) چھوڑی اللہ تعالی ضرور اس کو بدلے میں اس سے بہتر (فائدہ بخش چیز) عطا فرمائیں گے۔ (مفہومِ حدیث)

****

ہیرو یا زیرو؟

از: مبشر نزیر (لاہور)

ہمارے لوک قصوں میں ہیر رانجھا، سسی پنوں اور شیریں فرہاد نے ایک دوسرے کے حصول کی خواہش کو بہت زیادہ شدید کر لیا، جب یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ اتنے مایوس ہوئے کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بے چارے ہمارے لئے عبرت کا نشان ہیں لیکن بد قسمتی سے ہمارے قدیم اور جدید میڈیا نے ان سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے انہیں ہیرو بنا کر پیش کیا جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں محبت میں ناکامی پر انتہا درجے کی مایوسی اور بالآخر خودکشی کی وبا پھیلتی چلی گئی۔ اس کا شکار زیادہ تر خواتین نظر آتی ہیں کیونکہ ان میں خواہشات کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

محبت کے معاملے میں یہ جان لیجئے کہ شادی سے پہلے معاملہ محض پسند یا ناپسند تک محدود رہنا چاہئے اور اسے عشق یا محبت میں تبدیل نہیں ہونا چاہئے۔ جب شادی ہو جائے اور بات کنفرم ہو جائے تو پھر اپنے شریک حیات سے دل و جان سے محبت کیجئے۔ جو کوئی بھی اس کا الٹ کرے گا، اسے مایوسی سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عشق کیا نہیں جاتا بلکہ ہو جاتا ہے، کوئی اچھی چیز نہیں بلکہ ایک نفسیاتی بیماری ہے جس کا مناسب نفسیاتی علاج ضروری ہے۔ انسان کے تمام جذبے اس کے اپنے کنٹرول میں رہیں تو وہ خوش رہتا ہے ورنہ مایوسیاں اور پریشانیاں اس کا مقدر بنتی ہیں۔

کامیاب محبت

از: بنتِ عبداللہ (پاکستان)

اس کی منگنی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن اس کے اور اس کے منگیتر کے درمیان محبت ناپید تھی، ایسی محبت جیسی اس کی کزنز یا سہیلیوں سے ان کے منگیتر کرتے تھے۔ ان کی محبت اس کے دل میں ایک کسک پیدا کرتی اور اسے محرومی کا احساس ہوتا۔ وہ اپنے ارد گرد لڑکیوں کو اپنے منگیتر سے بات کرتے دیکھتی، تحفے تحائف لیتے دیکھتی، ان سے پیار و محبت کی باتیں سنتی تو سوچتی کہ اس سے ایسی محبت کرنے والا کوئی کیوں نہیں۔ وہ اسی بات پہ کڑھتی رہتی کہ اسے کوئی چاہنے والا کیوں نہیں۔ اس نے اپنا یہ مسئلہ اپنی دوست نور سے شیئر کیا جو اس کی سینیئر تھیں۔

"آپی کیا ضروری ہے کہ ہر انسان کو چاہنے والا کوئی انسان ہو؟" امامہ نے اپنی دوست سے پوچھا۔

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ بہت سے انسان ایسے ہیں جنہیں چاہنے والا کوئی نہیں ہوتا۔" نور نے اسے جواب دیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔"امامہ آپ کے قرب و جوار میں کئی ایسے بچے ہوں گے جن کے والدین اس دنیا میں نہیں ہوتے، ان سے والدین جتنا پیار کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

"جی ایسا ہی ہے۔" اس نے ان کی بات سنتے ہوئے جواب دیا۔

"دینا سمجھتی ہے کہ وہ بدقسمت ہیں، انہیں چاہنے والا کوئی نہیں، ان کے لاڈ اٹھانے والا کو نہیں۔ مگر وہ بدقسمت نہیں ہوتے کیونکہ اللہ پاک خود ان سے پیار کرتے ہیں۔" نور نے کہا۔ امامہ توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی۔ نور نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔" اس بات کا تمہارے سوال سے بہت گہرا تعلق ہے۔ یقیناً آپ سمجھ تو گئی ہو گی۔"

"آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جن سے کوئی پیار نہیں کرتا۔ ان سے خود اللہ پاک کی ذات محبت کرتی ہے۔ جن کا خیال کوئی نہیں رکھتا، اللہ پاک خود ان کا خیال رکھتے ہیں۔" امامہ نے ان کی بات کو سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

" وہ محروم نہیں ہوتے، اگر وہ سوچیں تو وہ نوازے گئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بادشاہوں کا بادشاہ، ان کا مالک ان کا ہاتھ تھامتا ہے۔" نور نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ امامہ اپنا رخ سیدھا رکھیں۔ انسان کی محبت ہونا ضروری نہیں۔ اللہ پاک کی محبت ہونا ضروری ہے۔ اللہ پاک آپ سے محبت کرتے ہیں تو آپ بھی اس محبت کا جواب اس سے محبت کر کے دیں۔ آپ اللہ پاک کا ذکر زمین پر کریں تو اللہ پاک آسمانوں میں آپ کا ذکر کریں گے۔ انسانی محبت تو فانی ہے مگر اللہ پاک کی محبت کو کوئی زوال نہیں۔ آپ اللہ پاک کو اچھے اعمال کے تحفے بھیجیں، اللہ پاک آپ کو اپنی رحمتوں کے تحفے بھیجیں گے۔

امامہ اصل کامیابی اللہ پاک کی محبت کو پالینا ہے نہ کہ کسی انسان کی محبت کو۔" نور نے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے اپنی بات کا اختتام کیا۔

امامہ کی ہر پریشانی ختم ہو گئی۔ آج اسے اس کی محرومی کے بدل دنیا و آخرت کی نعمت اللہ پاک کی محبت کی صورت میں مل گئی تھی۔

معاشی عشق

از: سالک وٹو (پاکپتن)

عشق حقیقی اور عشقِ مجازی سے تو کسی نہ کسی حد تک ہر کوئی آگاہ ہے۔ لیکن میرے خیال میں تیسرا اور موجودہ دور میں بنیادی اہمیت کا حامل 'عشقِ معاشی' ہے۔ شاید اسی عشق کے بارے میں ہی کسی شاعر نے کہا تھا:

فکرِ معاش ذکرِ بتاں یادِ رفتگاں

اس زندگی میں کیا کیا کُیا کرے کوئی۔ جیسے عشقِ مجازی یاوری کرے تو عشقِ حقیقی کی راہ پہ مسافر چل نکلتا ہے اور اگر عشقِ مجازی میں ضد اور انا کی دخل اندازی ہو جائے تو انسان منزل ہی کھوٹی نہیں کرتا بلکہ جرم کی راہوں میں دور تک نکل جاتا ہے۔ ایسے ہی معاشی عشق میں اگر خلوص اور حلال نیت ہو تو یہ عشق بھی خدمتِ انسانی کی راہ سے ہو کر عشقِ حقیقی کی طرف ہی مسافر کو لے جاتا ہے- اور اگر اس عشقِ معاش میں بے ایمانی اور حق تلفی داخل ہو جائے تو یہ عشق بھی نفرت و تکبر کی راہ دکھاتا ہے جس کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ جیسے عشقِ مجازی میں خواہش۔ طلب۔ کسک۔ جدائی، ہجر، درد ،قرب اور وصال جیسی کیفیتوں سے انسان گزرتا ہے بالکل ایسی ہی حالت معاشی عشق کی ہوتی ہے بلکہ میرے مشاہدے کے مطابق تو عشقِ معاش بھوک و افلاس کی شکل میں جب سر چڑھ کر بولتا ہے تو عشقِ مجازی منٹوں میں وقت کے تقاضوں میں گم ہو جاتا ہے۔ اگر مزہبی لحاظ سے دیکھیں تو عشقِ مجازی کا صرف ایک افسانوی سا پسِ منظر ہے لیکن عشقِ معاش کی بار بار تاکید کی گئی ہے کہ عشقِ معاشی کے بغیر غربت انسان کو کفر تک بھی لے جا سکتی ہے۔ اس عشق کی شدت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی اسی عشق کی خاطر دوسرے ملک بھیج دیتی ہے۔ اسی عشقِ معاشی کے کئی چہرے زمانے میں گردش کر رہے ہیں۔ جس انسان پہ یہ عشق فدا ہو جائے وہ خدائی کا دعوی تک کر دیتا ہے۔ اور جس سے یہ منہ موڑ لے اس کا یقین اپنے خالق کے بارے بھی مخدوش ہو سکتا ہے۔ آج کل انسان کی عزت اسی عشق کی بدولت کی جاتی ہے۔ انسانوں کو غلام بنانا بھی اسی عشق کی دین ہے۔ اپنوں کا ایک دم غیر ہو جانا بھی معاشی عشق کی کار فرمائی ہے۔ حصولِ عشقِ معاش کے لیے بھائی اپنے سگے بھائی کے قتل کے درپہ بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے عشقِ مجازی میں رقیب کا وجود برداشت نہیں ہوتا بالکل ایسے ہی عشقِ معاش میں بھی انسان کسی دوسرے کے پاس معاش (دولت) دیکھ کے حسد کی آگ میں جل جاتا ہے اور کسی دوسرے کو اپنے برابر برداشت نہیں کر سکتا۔ جہاں عشقِ مجاز کی داستاں اگر جذبوں سے بھری پڑی ہے تو وہیں عشقِ معاش بھی ایک لازاول جذبہ ہے۔

اصلی کرپشن

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل (کراچی)

کلاس شروع ہونے میں کچھ وقت تھا، لڑکے اور لڑکیاں گپ شپ میں مصروف تھے۔ اچانک پروفیسر کمرے میں داخل ہوئے اور سب اپنی اپنی سیٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"کیا آپ کو علم ہے انسان نے سب سے زیادہ کرپشن کس شعبے میں کی ہے؟" پروفیسر گویا ہوئے۔

طلبا ابھی جواب دینے کے لیے پر تول ہی رہے تھے کہ پروفیسر نے خود ہی جواب دے دیا:

"سب سے زیادہ بدعنوانی انسان نے جنس کے میدان میں کی ہے۔ جب سے دنیا بنی، انسان اس میدان میں منہ کی کھاتا رہا۔ اکثریت نے اس میدان میں شیطان کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنا گوارا کیا۔ اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ انسان آزادانہ جنسی تعلق کو برا نہیں سمجھتا تھا یا اسے اس تعلق کو برائی سمجھنے میں کوئی دشواری تھی۔ اس کا ایک بنیادی سبب اس حدود سے نا آشنائی تھی جہاں سے ناجائز معاملات کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔"

"سر! آخر جنسی معاملے ہی میں اتنی کرپشن کیوں ہوئی اور ناجائز حدود سے آپ کی کیا مراد ہے۔" احمد نے سوال کیا۔

"دیکھیں! بلوغت کے بعد انسان میں جنسی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، اس اشتہا کی شدت داخلی طور بھی موجود ہوتی ہے اور خارجی ماحول میں اس اشتہا کو فروغ دینے کے سارے لوازمات موجود ہوتے ہیں۔ اندر کی شدت اور باہر کی لالچ مل کر ایک ایسی بھوک پیدا کرتی ہے کہ انسان چاہتے نہ چاہتے اس جانب راغب ہو ہی جاتا ہے۔"

"تو سر آخر خدا کو اس شدت کے ساتھ یہ خواہش پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" ایک سوال آیا۔

"اس کی بنیادی وجوہات تھیں۔ ایک بڑی وجہ تو یہی کہ انسان کی نسل کا سلسلہ برقرار رکھنا ہے۔ اگر اس جنسی تعلق کے جذبے میں شدت نہ ہو تو کوئی بھی جانتے بوجھتے نکاح کی جانب مائل نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس سے وہ جن ذمہ داریوں میں پھنس جاتا ہے وہ کوئی آسان نہیں۔ اس کی دوسری بڑی وجہ آزمائش تھی۔ اس دنیا میں ہمیں بھوک، پیاس، مادی مفادات اور دیگر طریقوں سے آزمایا جاتا ہے جن میں جنسی خواہش سرفہرست ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا۔

"ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟" پروفیسر لیکچر دیتے دیتے کہیں گم ہو گئے تھے کہ اچانک گویا ہوئے۔

"ہاں، جنسی معاملے میں انسان نے بہت کرپشن کی ہے۔ خدا نے جب انسان کو دنیا میں بھیجا تو نہ صرف جنسی جذبہ اس کی فطرت میں رکھا بلکہ اس کو

استعمال کرنے کے لیے صحیح اور غلط کا کوڈ بھی اس کے اندر ہی رکھ دیا۔ چنانچہ پہلے دن سے آج تک انسان جانتا ہے کہ جنسی جذبے کو جانوروں کی طرح استعمال کرنا درست نہیں، وہ جانتا ہے کہ یہ تعلق ماں سے قائم کرنا ناجائز ہے،، کسی کے ساتھ زبردستی کر کے اس کی عزت تار تار کرنا درست نہیں، سوسائٹی میں اعلان کیے بنا خفیہ تعلق قائم کرنا درست نہیں۔

"سر آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انسان یہ سب کچھ جانتا تھا، اس کی کیا دلیل ہے؟" ایک سوال آیا

"اس کی سب سے بڑی دلیل انسان کی ریکارڈ شدہ تاریخ ہے۔ تمام انسانی معاشروں نے اپنی بنیاد نکاح پر رکھی زنا یا خفیہ تعلق پر نہیں، تمام معاشروں میں محرمات کا تصور قائم رہا اور بھائی بہن کی شادی کے واقعات انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، تمام معاشروں میں لباس اور حیا کا تصور موجود رہا۔ تمام معاشروں میں خاندان کا تصور موجود رہا۔ جس نے بھی ان مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کی تو اسے سزا کے قابل سمجھا گیا۔"

"تو سر کرپشن کہاں ہوئی۔"

"کرپشن یہاں ہوئی کہ عمومی طور پر لوگوں نے زنا سے تو گریز کیا کیونکہ یہ ایک مشکل کام تھا۔ لیکن وہ اپنی نگاہ، کان، ہاتھ، بات اور خیالات سے زنا کرتے رہے۔ وہ اگر زنا نہ کر پائے تو اس کے خیالات ہی سے محظوظ ہوتے رہے۔ اور آج کے دور میں اسی بنا پر عریانی ایک بہت بڑی انڈسٹری بن چکی ہے جو لوگوں کی آنکھوں کو سینکنے اور خیالات میں لذت پیدا کرنے کے لیے ہر لمحہ کوشاں ہے۔ آج اکثر محفلوں میں فحش لطیفوں کو عام بول چال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، راہ چلتی خواتین کو بری طرح گھور کر نگاہوں کی ہوس پوری کی جاتی ہے، ہر دوسری کہانی عشق سے شروع ہوتی اور جنسی مناظر تک پہنچ جاتی ہے، ہر دوسرا اشتہار عورتوں کے اعضا کو اس طرح دکھاتا ہے کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔"

"سر یہ تو تضاد معلوم ہوتا ہے کہ انسان سب کچھ جانتے ہوئے بھی نہیں مانتا، یہ کیا وجہ ہے؟"

"آج کے دور میں اس کی ایک وجہ تو جنسی جذبے کی شدت ہے لیکن اس پر قابو کیا جا سکتا ہے۔ دوسری وجہ خارجی ماحول میں بکھری ہوئی بے حیائی ہے ۔ تیسری وجہ ماضی اور جدید دور کے انسان دو پیمانوں کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں۔ وہ دوسروں سے تو توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کی بیوی، بہن یا بیٹی پر بری نگاہ نہ ڈالے اور اس وقت انہیں ساری اخلاقیات یاد آتی ہے۔ لیکن دوسرے کی بہن، بیٹی کو دیکھ کر وہ خود کو تمام اخلاقیات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔"

"سر آج کے دور میں خود کو جنسی کرپشن سے کس طرح بچایا جائے؟"

"اس سے بچنے کے لیے داخل اور خارج پر کام کرنا ہو گا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم وہی سوچتے ہیں جو ہم دیکھتے، سنتے، بولتے محسوس کرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ داخلی دروازوں پر چیک لگا دیا جائے۔ یعنی وہ دیکھنے سے گریز کیا جائے جو جنسی اشتعال کا باعث ہو، وہ نہ سنا جائے جس سے جنسی خواہش بے قابو ہو جائے، وہ باتیں نہ کی جائیں جو فحاشی کی جانب لے جاتی ہوں۔ اس سے ہمارے خیالات میں پاکیزگی آئے گی۔"

"دوسرا مرحلہ یہ کہ ایسی محفلوں اور دوستوں سے بچا جائے جو جنسی اشتعال انگیزی کا سبب ہوں۔ ان محفلوں میں انٹرنیٹ، وڈیو، آڈیو، چیٹ، فون جیسی محفلیں بھی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر نکاح نہیں کیا ہوا تو جلد از جلد نکاح کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"لیکن سر! ان سب کے باجود جنسی جذبہ قابو میں نہ آئے تو؟"

"ایسی صورت میں لی بی ڈو یعنی جنسی اشتہا کو کم کرنے کے لیے روزے رکھے جائیں۔ ہماری پہلی ضرورت بھوک مٹانا ہے اور جنس ثانوی ضرورت ہے۔ چنانچہ جب ہم خود کو بھوک کے احساس میں مبتلا کر دیں گے تو ہمارا نفس سب سے پہلے کھانے کا تقاضا کرے گا۔ اسے جنس کا خیال ہی نہیں آئے گا یا کم

آئے گا۔ اگر روزے مشکل ہوں تو کھانا ضرورت سے کم کھایا جائے تاکہ نفس کو کچھ دیر بعد بھوک کا احساس ستائے اور اس کی توجہ منتشر ہو جائے۔"

"سر توجہ ہٹانے کے تو اور بھی ذریعے ہو سکتے ہیں۔"

"جی ہاں، توجہ ہٹانے کا ایک طریقہ تو یہ ہے خود کو مصروف رکھا جائے، جسمانی ورزش کی جائے، یوگا کیا جائے، مراقبہ کیا جائے اور ایسے لٹریچر کو پڑھنے یا دیکھنے سے گریز کیا جائے جس کی بناپر جنسی خواہش کا گھوڑا بدک جائے۔"

"اس کے باوجود بھی اگر خواہش برقرار رہے تو؟"

"دیکھیں! ہمارا مقصد خواہش کو ختم کرنا نہیں بلکہ اس کو قابو کرنا ہے۔ خواہش ختم کرنا تو مقصود ہے ہی نہیں۔ اگر یہ خواہش قابو میں آجائے تو ہم اسے مثبت انداز میں اپنی اور انسانی معاشرے کی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسے ایک جہاز کو ہم اپنی مرضی سے جہاں چاہیں اڑائیں۔ اور اگر یہ خواہش بے قابو ہو جائے تو ایک ایسے جہاز کی مانند ہے کس کا کنٹرول پائلٹ کے ہاتھ میں نہیں۔ جہاں مرضی ہو جہاز چلا جائے اور آخر میں زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔"

کلاس ختم ہوئی اور نوجوان اس عزم کے ساتھ اٹھے کہ انہوں نے جنسی خواہش کے منہ زور گھوڑے کو تربیت دے کر قابو میں کرنا ہے کیونکہ یہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ ہے۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

جذباتی ذہانت۔۔۔۔۔۔۔از: امِ مریم (لاہور)

محبت اور ہوس کو بعض اوقات لوگ اپنے مذموم مقاصد کی غرض سے اپنے ظاہری قول و فعل کے ذریعے مماثلت دینے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو متضاد جذبے ہیں۔ ان دونوں کے مابین فرق کو سمجھنے کے لیے جذباتی ذہانت، یعنی (emotional intelligence) کی بے حد ضرورت ہے۔ جذباتی ذہانت سے مراد یہ ہے کہ آپ براہِ راست ظاہری افعال (جن کا آپ کے لیے اظہار کیا جارہا ہے) کی زد میں آنے سے پہلے ان کا تجزیہ کرتے ہوے، ان کی جانچ کریں۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے اس بات کا ادراک حاصل کرنا لازم ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے انسان کے تمام فطری تقاضوں اور جذباتیت کے کچھ مقاصد ہیں اور ان کی بنیاد پر جذبات کی حدود بھی طے شدہ ہیں۔ اگر یہ جذبات اپنے ان فطری مقاصد و حدود سے تجاوز کر جائیں تو بے حد نقصان کا باعث بنتے ہیں جبکہ فطرت کی حدود پر چلتے ہوے ہی انفرادی و اجتماعی فلاح و بہبود کا باعث ہوتے ہیں۔

چنانچہ کسی کے ظاہری قول و فعل، جن کا وہ مدعی ہے، یا جن کی ادائیگی کی دعوت آپ کو بھی دے رہا ہے، ان کی زد میں آکر محسوسات کے دھارے میں بہنے سے پہلے ذرا غور و فکر کی ایک نشست سے استفادہ کیجیے اور جذباتیت کے حوالے سے اپنے ادراک کی کسوٹی پر انہیں پرکھیے تو بخوبی ایسے لوگوں کی حقانیت اور مذموم مقاصد سے آگاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کا وجود ہی عکسِ محبت ہے گویا کہ محبت ہی سے زندگی رواں دواں ہے۔ لیکن آج ہم نے اس محبت کے بخیے ادھیڑ دیئے ہیں محبت کے بہروپ میں ہوس بغض عناد نفرت اور خود غرضیوں کی موشگافیوں کا دور دورہ ہے۔

پچھلے دنوں میرے ایک نو سرباز دوست نے بھی کچھ ایسا ہی کام کیا کسی سے انسیت ہوئی یا محبت مجھے نہیں معلوم لیکن لگا یہی کہ موصوف کو عشق کا گمان ہوا بس پھر عشق کہاں دیکھتا ہے آگ پانی یا صحرا کو وہ تو بے خطر ہوتا ہے سو وہ بھی خطروں سے کھیلنے پر آمادہ ہو گیا موبائل پر شروع ہونے والی ہیلو ہائے بالآخر ہائے ہائے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ گو کہ دونوں بعد میں ملے بھی اور بھی سو باتیں ہوئی ہوں گی مگر شعاؤں کے بل پر پروان چڑھنے والے تعلق مشکل سے ہی قائم رہ پاتے ہیں بس وہی ہوا ان کی محبوبہ نے ان کی زندگی کے نیٹ ورک کو انکار نامی رورل ایریے کا سگنل دے کر جام کر دیا۔

دل آنے اور پھر دل لگی ہونے تک تو خیر تھی مگر وہ روگ دل کے مکاں کی فصیلیں گرا کر جان کی دہلیز تلک آ گیا۔ دل سے چل کر جان دینے تک آ گئے موصوف کو جو لیلیٰ پسند آئی اس نے کچھ دن کے قول و قرار کے بعد جھٹ سے ہاتھ کھینچا تو بیچارے لڑکھڑا کر گر پڑے اور بجائے اٹھنے کے "لیٹ" ہو کر مکمل لیٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ چھری شاید امی جان سبزی بنانے میں استعمال کر رہی تھیں بہن کے دوپٹے ہو سکتا ہے اسے ملے نہ ہوں جن سے پنکھے پر جھول جاتا اور پستول ابا لے کر گئے ہوئے ہوں گے کیونکہ وہ پولیس میں تھے۔

بس پھر جب ہر طرف سے راستے مسدود دکھائی دیئے تو خطروں کے اس کھلاڑی نے نئی راہ تلاش کی اور کسی دوائی کا اوور ڈوز لے لیا۔

قے آنا شروع ہوئی اور حالت غیر ہو گئی گھر والوں کو پتہ چلا تو بیچاروں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے خیر جیسے تیسے کر کے ہسپتال منتقل کیا گیا اللہ اللہ کر کے امید روشن ہوئی اور تین دن آئی سی یو میں قیام کر کے قیام گاہ آنے کی حالت بحال ہو پائی۔ اس کے بعد میں نے بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالی لیکن وہ بھڑاس مجھ تک ہی محیط رہے تو بہتر ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ محبت ہے؟

آئے دن ہماری نظروں سے ایسے کیسز گزرتے رہتے ہیں کوئی کلائی سے نس کاٹ لیتا کوئی زہر کھا لیتا ہے اور پتہ نہیں کیا کیا۔ اور ایسے کام وہی کرتے ہیں جو جیتے جی بھی نامعقول حرکات میں ملوث ہوتے ہیں یعنی اپنے محبوب کا نام کبھی ہاتھ پر چھدوا لیا تو کبھی سینے پر محبوبہ کے نام کا پہلا لفظ کسی تیز آلے سے نقش کر لیا۔

یہ کیسی محبت ہے جو گھر کے چشم و چراغ کو اپنے گھر میں سیاہی بھرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

یہ کہاں کی محبت ہے جو گھر کی چڑیا کو اپنا ہی گلستاں ویران کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

یقیناً یہ محبت نہیں ہو سکتی اگر محبت ہے تو اسے سب سے پہلے اپنے والدین سے ملنے والی محبت کو مقدم رکھنا چاہیے اور اگر اس محبت کے دعویدار کو ان کی محبت نہیں دکھتی تو اسے آگے محبت کیسے ہو سکتی ہے؟

اور تو اور، وہ اللہ جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور ماں کیا ہے جو اپنی اولاد کیلئے دنیا تو تیاگ ہی سکتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی جان قربان کرنے تک سے بھی دریغ نہیں کرتی اور اللہ ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہنے والا ہے تو اس کی کیا شان ہو گی تو کیا اس کی بنائی ہوئی محبت اس کی محبت سے کنی کترانے پر مجبور کر سکتی ہے؟

ہرگز نہیں اس کی محبت کا تو تقاضہ ہی یہی ہے کہ اس کی دی گئی امانت کا پاس رکھا جائے یہ زندگی ہماری نہیں اس کی ہے جیسا اس نے کہا ویسے نبھانی پڑے گی یہی محبت کا دستور اور تقاضہ ہے۔

زندگی کا اصل مقصد ہے ہی اس امانت کی حفاظت کیونکہ امانتیں سنبھالی جاتی ہیں نہ کہ گنوائی جاتی ہیں۔

لیکن بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے محبت کا نصاب تبدیل کر دیا اور اس میں ایسے ایسے اسباق شامل کر دیئے جن کا ہم خواب تک میں بھی تصور نہ کر سکتے تھے اور اب وہی ہمارے روٹین کا ناگزیر حصہ ہیں۔

یہیں پر بس نہیں آگے چل کے اس راہ کو جاتی پگڈنڈیاں تباہ کر دیں اور اس کی فصلِ گل کو آگ لگا دی۔

ہم نے اس پختہ عمارت میں محبت کے بہروپ سے دراڑیں ڈال دی ہیں۔

جس کے بعد یہ جذبہ جذبہ نہیں رہا بلکہ رواج بن گیا ہے۔

جبکہ ہمارا میڈیا اس ضمن میں وہ اہم ضرب ثابت ہوا جس نے ہمارے اقدار کا بچا کھچا سر بھی زمین میں دھنسا دیا ہے گو کہ ہمارے اخلاقی دفن کا پیش خیمہ اور پروپیگنڈہ کرنے والا یہی ہے لیکن اس کے ساتھ مزید عوامل اور عناصر بھی شامل ہیں۔

اور سونے پر سہاگہ یہ کہ جدت ہو گئی، موبائل اور انٹرنیٹ نے نوجوان نسل کے اوسان ہی خطاء کر دیئے ہیں جس کے بعد یہ خطاء پر خطاء کرتے چلے جاتے ہیں اور غلطی سے بھی انہیں اس کا ادراک نہیں ہوتا۔

محبت نامی لفظ ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہو چکا ہے کہ بالغوں کی تو بات ہی درکنار اسکول کے بچے تک اس زعم کا شکار نظر آتے ہیں۔

دراصل ہم نے جس محبت کی ترویج کرنا تھی اسے مذموم قرار دیکر مفقود کر دیا اور نئی محبت متعارف کروادی ہے۔

اب والدین کو اولاد نوچ کھانے تک جاتی ہے اور محبت کے استعارے پر فریفتہ ہوتے وہی بچے تھکتے نہیں۔

گھر میں کسی سے سیدھے منہ بات کرنا گویا کبیرہ گناہ ہے اور گھر کی دہلیز پھلانگتے ہی اپنے ہم نواؤں کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے خوش گپیاں ہانکی جاتی ہیں۔

تبدیلی ناگزیر ضرورت بن چکی ہے۔ یہ تبدیلی کسی ایک فرد ایک کنبے ایک جماعت یا ایک قوم سے نہیں آئے گی بلکہ ہر طرف سے اس حبس زدہ ماحول میں شبنم کے قطرات باہم ملیں گے تو خوشگواری کا سر اٹھے گا۔

اب مثبت راستہ یہی ہے کہ حقیقی محبت کو نافذ کر کے اس بہروپ کا قلع قمع کر دیا جائے تا کہ محبت کا کھرا سکہ کھوٹا نہ ہونے پائے۔

ویلنٹائن ڈے اور وہ

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل (کراچی)

وہ خیر باد کہتے ہوئے جاڑے کی ایک حسین شام تھی۔ چار سو دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ لیکن فضا اتنی یخ بھی نہ تھی کہ ناگوار گذرتی۔ بہار کی آمد نے کونپلوں کے تن چاک کر دیئے تھے۔ اودے اودے، نیلے پیلے سرخ سفید غرض ہر طرح کے رنگوں کے پھول چاروں طرف نمودار ہونے کے درپے تھے۔ خزاں رسیدہ درختوں پر سبزے کی نوکوں نے سر نکال کر جھانکنا شروع کر دیا تھا۔ شام کے پرندے اپنے اپنے مسکنوں کو لوٹنا شروع ہو گئے تھے۔ اوپر نیلگوں آسمان کی بے کراں وسعت تھی تو نیچے سبز گھاس کا حسین کارپٹ۔

وہ پارک میں کھڑا مصورِ اعظم کی کاریگری کی داد دے رہا تھا۔ ڈھلتی ہوئی شام کا ہر لمحہ اسے خدا کے قرب کا احساس دلا رہا تھا۔ اس نے خدا کی عظمت، اس کی قدرت، اس کی لطافت، اس کے جمال، اس کے کمال، اس کے جلال کو دیکھا اور دیکھتا چلا گیا۔

اچانک اس کی نگاہ پارک میں بیٹھے ہوئے ایک جوڑے پر پڑی۔ دونوں کی ظاہری وضع قطع سے لگ رہا تھا کہ ویلنٹائن ڈے منا رہے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پہلو ملا کر محو گفتگو تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ایک دوسرے پر مر مٹنے کے لئے تیار ہوں۔ اس نے ذرا غور سے دیکھا تو علم ہوا کہ یہ دونوں اس کے آفس کے ساتھی تھے۔ وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دونوں شادی شدہ تھے لیکن آپس میں نہیں۔ وہ دنوں با اولاد تھے لیکن اس بات کی انہیں کوئی پروانہ تھی۔ وہ تو بس مغربی تہذیب کی اس رسم کو انجوائے کرنا چاہتے تھے، وہ آزادانہ جنسی اختلاط سے اپنی آزاد خیالی پر مہر ثبت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، وہ حیا کی قدر کو دقیانوسی برقع سمجھ کر اتار پھینکنا چاہتے تھے۔

وہ ان کی باتوں سے سخت کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اسے دونوں کی شکلیں اس مکروہ بھیڑیے کی مانند محسوس ہونے لگیں جو ایک دوسرے کی بوٹی نوچنے کے لئے دانت نکوس رہے ہوں، جو اپنی سفلی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ہر طرح کی انسانیت سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہوں۔

اس نے اپنا رخ پھیر لیا اور آسمان کی جانب دیکھا۔ سورج کی آخری کرنیں زمین سے رخصت ہوا چاہتی تھیں اور اندھیرے کا عفریت ہر روشنی کو نگلنے کے درپے تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اسے یہاں سے چلے جانا چاہیئے ورنہ اس دھیرے دھیرے آنے والی تاریکی میں وہ بھی اپنی راہ گم نہ کر بیٹھے۔

* * * * * * * * * * * * * * * * * *

قیامت کے دن قائم رہنے والی محبتیں

از: ڈاکٹر آسیہ رشید (لاہور)

جب کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آجائے گی اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر (دامنگیر) ہوگی جو اس کے لئے کافی ہوگی (سورہ عبس)

اپنے ذہن میں روزِ محشر کا یہ تصور کر کے دیکھیں تو قرآن مجید کی یہ آیات ہمارے وجود کو جھنجوڑ دینے کے لیے کافی ہیں۔ قیامت کا سماں ایک ایسا عجیب چھا جانے والا سماں ہوگا جہاں کوئی تعلق داری، کوئی رشتے، کوئی مال و دولت کام نہیں آئے گی۔ ساری محبتیں، رشتے ناطے دنیا میں ہی ختم ہو جائیں گے اور چند رشتے ایسے ہوں گے جنھیں جوڑنے کے عوض اللہ ہم پر رحمت کی نگاہ ڈالیں گے۔ یہ وہ رشتے ہوں گے جو دنیا میں خالصتاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے قائم کیے گئے ہوں گے۔ یہ وہ محبتیں ہوں گی جو اللہ کے دین کی حفاظت اور سربلندی سے مشروط ہوں گی۔ جس میں دنیاوی مفادات پنہاں نہیں ہوں گے اور ان کا مقصود دنیاوی اغراض کا حصول نہیں ہوگا۔ سورۃ الزخرف میں اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ (67)

اُس دِن سب ہی دوست دُشمن بن جائیں گے سوائے تقویٰ والوں کے۔

رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأُنَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ، وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأُنَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى

بے شک اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے، جو انبیاء میں سے نہیں اور نہ ہی شہیدوں میں سے ہوں گے لیکن قیامت والے دِن اللہ کے پاس اُن کے رتبے کی انبیاء اور شہید بھی تعریف کریں گے۔

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ، قَالَ: ((هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ عَلَى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ، وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا، فَوَاللَّهِ إِنَّ وُجُوهَهُمْ لَنُورٌ، وَإِنَّهُمْ عَلَى نُورٍ لَا يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحْزَنُونَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ))

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں بتایے کہ وہ لوگ کون ہیں ؟ تو اِرشاد فرمایا:

وہ (صِرف) اللہ کی خاطر مُحبت کرنے والے لوگ ہوں گے، (کیونکہ) اُن کے درمیان نہ تو (اِیمان کے عِلاوہ) کوئی رشتہ داری ہوگی اور نہ ہی کوئی مال

لینے دینے کا معاملہ، پس اللہ کی قَسم اُن کے چہرے روشنی ہی روشنی ہوں گے اور وہ روشنی پر ہوں گے، جب (قیامت والے دِن) لوگ ڈر رہے ہوں گے اور غم زدہ ہوں گے تو وہ نہیں ڈریں گے، اور نہ ہی غم زدہ ہوں گے۔

وَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [یونس: 62]

اور پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی

بے شک اللہ کے ولیوں (دوستوں) پر نہ کوئی ڈر ہو گا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے۔ سُنن ابو داؤد، **أَبْوَابُ الْإِجَارَةِ** (یعنی کتاب الاِجارۃ)، **بَابٌ فِي الرَّهْنِ**، حدیث نمبر: 3527

اِس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مُبارک سے یہ خبر دی کہ اللہ کی خاطر، صِرف اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے مُحبت کرنے والے اِیمان والے اللہ کے اُن ولیوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں قیامت والے دِن کوئی خوف اور غم نہ ہو گا اور وہ اللہ کے ہاں ایسے بلند رتبے پائیں گے کہ جنہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی تعریف کریں گے۔

دین کی خاطر قائم کیے گئے یہ تعلق یقیناً ہمارے لیے روزِ محشر ایک اہم سرمایہ ہوں گے لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ان ایسے رشتوں اور تعلقات کو ہمیشہ ہی شک کی نگاہ سے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ہمارا مزاج ایسا بن گیا ہے کہ اگر بلاغرض ہم سے کوئی ایمان کی بنیاد پر محبت کرے تو اس پر یا تو شک کیا جاتا ہے یا اس کے خلوص کا مذاق بنایا جاتا ہے۔ ہم بالعموم ایسے شخص کو احمق سمجھتے ہیں جو بنا کسی دنیاوی غرض کے کسی سے محض اللہ کے لیے محبت رکھتا ہو۔ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ہم پہلے تو خلوص کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور جب یہ خلوص دین کی نسبت محبت میں ملتا ہے تو ہم اسے شکوک کے نشتر سے گھائل کر دیتے ہیں۔ ہمارے اس رویے کا ناگزیر نتیجہ یہی نکلتا ہے، بلکہ آج عمومی سطح پر یہی نتیجہ سامنے آ چکا ہے کہ زیادہ پر خلوص ہونا ہمارے معاشرے میں گناہ یا کم عقلی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

بہر حال بحیثیت مسلمان ہمیں نہ ہی کسی کے خلوص پر شک کرنا چاہیے اور نہ ہی شک وشبہ والی اس عمومی فضا کی وجہ سے دل رنجیدہ کرنا چاہیے کہ ہم کسی سے دین کی نسبت سے تعلق ہی نہ رکھیں۔ یقیناً ہماری کاوشوں اور مثبت سوچ کا اجر اللہ کے ہاں لکھا جاتا ہے۔

اللہ کی خاطر دوستی اور دشمنی کیجیے اور اسی کی خاطر محبت اور نفرت ہو۔ لیکن اعتدال کے ساتھ تاکہ لوگ آپ کے خلوصِ محبت پر شک نہ کریں ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ)) سنن ابو داؤد، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ ،/ حدیث: 4681، جز: 4، ص: 220

جِس نے اللہ کی خاطر مُحبت کی، اور اللہ کی خاطر نفرت کی، اور اللہ کی خاطر ہی (کسی کو کچھ) دِیا، اور اللہ ہی کی خاطر (کسی کو کچھ) دینے سے رُکا رہا، تو یقیناً اُس نے اپنا اِیمان مکمل کر لیا۔

تقوی اور پرہیز گاری اختیار کی جانی چاہئے اور اس طرح کے مسائل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہئے اس پر دل رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے۔

سوشل میڈیا کی محبتیں

از: گل لالہ (پاکستان)

انسان معاشرتی حیوان ہے۔ مختلف لوگوں سے ملنا اور دنیا کے بارے میں جاننا، ہمیشہ ہی سے انسانی فطرت کی تسکین کا باعث رہا ہے۔ دورِ حاضر کی ٹیکنالوجی نے پوری دنیا ہماری پوروں میں سمو کر رکھ دی۔ ہمارے ایک انگلی کے اشارے پر ہمارے من پسند آرڈر ہمارے دروازے پہ ہوتے ہیں۔ آن لائن خرید و فروخت کے بڑھتے ہوئے سلسلے کی وجہ سے خریداری کرنا مزید آسان تر ہوتا جا رہا ہے۔ سوشل نیٹ ورک, فیس بک اور ٹوئیٹر جیسے میڈیا نے دنیا بھر کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بے شمار لوگوں نے سوشل میڈیا کو بروئے کار لاتے ہوئے طب کو عام کیا۔ تو کئی مسلمانوں نے آن لائن دین اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ لیکن جہاں سوشل میڈیا نے بے شمار آسانیاں پیدا کیں وہیں اس کے منفی استعمال کو روکنے میں دنیا کی تمام حکومتیں ناکام رہیں ہیں۔ سوشل میڈیا پر بڑھتے ہوئے ہراساں کرنے کے کیس اور قاتلانہ دھمکیاں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ تصویر اپلوڈنگ کے بعد اس تصویر کو کوئی کب، کیسے، کہاں، اور کس طرح استعمال کرتا ہے ہم نہیں جانتے۔ آن لائن محبتوں کے دعوے کرنے والے کب آپ کے دشمن بن جائیں اور آپ کو بلیک میل کرنے لگیں، اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ان سب کے علاوہ سوشل میڈیا بے شمار گھروں کے ٹوٹنے کی وجہ بھی رہا ہے۔ اکثر گھروں میں جھگڑے اسی بنیاد پر ہوئے کہ فیس بک اور ٹوئیٹر پر وقت صرف کیا جاتا ہے گھر میں نہیں۔ دوسرے ملک میں بیٹھے آن لائن دوست سے اس کی خیریت دریافت کی جاتی ہے مگر پاس بیٹھے ہوئے سے نہیں۔ محسوس کیا جائے تو آج کل کے بچے لوگوں سے بات چیت میں کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ ان کو اندازہ نہیں کہ کب، کہاں، کس سے، کس انداز اور لہجے میں بات کرنی ہے۔ کیونکہ ان کی کل دنیا سوشل نیٹ ورک کی دنیا ہے۔ اور آج کی پیڑی میں بڑھتے ہوئے ڈپریشن کی ایک یہ بڑی وجہ سوشل میڈیا بھی سامنے آئی ہے۔ ہر چیز کے استعمال کے مثبت اور منفی دونوں طریقے ہوتے ہیں۔ اگر ہم اعتدال کے ساتھ سوشل نیٹ ورکنگ کا استعمال کریں تو یقیناً اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ لغویات کا شکار ہونا، انجانے لوگوں کے ساتھ ایک حد سے بڑھ کر بات چیت کرنا اور اپنے مسائل شیئر کرنا کہیں کی عقلمندی نہیں۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے گھریلو ماحول خراب کرنا، اور غیروں کی باتوں میں آکر اپنا گھر خراب کرنا، دنیا و آخرت دونوں میں ذلت ہی کا باعث بنتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت نہ کر کے گناہ گار ہوتا ہے۔ اصل میں مسئلہ یہ نہیں ہے کے سوشل میڈیا غلط ہے۔ مسئلہ یہ ہے کے ہم صحیح اور غلط کی تفریق بھول گئے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کے ہم لفظ اعتدال کے معنی سے ناواقف ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کے ہم خود اپنے نفس کے غلام ہیں۔ اور جب مسئلہ ہم خود ہی ہوں تو سوشل میڈیا جتنا بھی غلط ہو، ہم اس سے زیادہ غلط ثابت ہوتے ہیں. کیونکہ اس سوشل میڈیا کا استعمال ہم پہ منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت اور شعور عطا فرمائے، آمین۔

محبت نام ہے احساس کا

از: عثمان غنی خان (حیدرآباد)

کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹتے ہو جونہی میرے قدموں کی چاپ سن کر وہ میری جانب پلٹی سائیڈ ٹیبل پر رکھا شیشے کا گلاس ہاتھ لگنے سے گر کر چکنا چور ہو گیا۔ اور میں جو سارا دن کا تھکا ہارا گھر پہنچا تھا، نہ چاہتے ہو بھی اس کی اس حرکت پر برس پڑا تم سے کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں ہوتا۔ ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیاں اپنے ہاتوں سے سمیٹتے ہو اس نے میری طرف دیکھا اور کہا میں نے جان کر نہیں گرایا غلطی سے گر گیا۔ بس بس زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں سارا دن تم کرتی کیا ہو ابھی تک تم سے ایک کمرہ صاف نہیں ہوا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی ہی تھی کہ میں پھر سے اس پر برس پڑا، تمہاری روز روز کی ان حرکتوں سے میں تنگ آ گیا ہوں، آخر کب تک یہ سب اسی طرح چلے گا۔ میں سارا دن محنت کرتا ہوں صرف اس لیے کہ تمہاری ضرورتوں کو پورا کر سکوں تمہیں ہر آسائش دے سکوں مگر تم نے کبھی سوچا ہے کہ میں تم سے کیا چاہتا ہوں اپنے گھر میں اور زندگی میں سکون۔ میرے اس جواب پر اس کی آنکھوں میں پھر سے وہی نمی امڈ آئی جس سے مجھے ازلی چڑ تھی۔ میں ایک بار پھر غصے سے چیخا یہ میری کسی بھی بات کا جواب نہیں تمہارے رونے دھونے سے مجھ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اب تم وہی کرو گی جیسا میں چاہتا ہوں ۔۔شانی۔۔وہ روہانسی سی کہنے لگی پلیز غصہ مت کرو تم جیسا کہو گے میں ویسا کروں گی آئندہ تمھیں میری طرف سے کوئی شکایات نہیں ہو گی ہر چیز صاف ستھری جگہ پر ملے گی پلیز اب اور ناراض مت ہو۔ یہ کہتے ہو اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسوں بہہ رہے تھے . مجھے اپنے غلط رویئے کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو تھاما اور کہا اچھا تم اب رومت سوری میں غصے میں کچھ زیادہ ہی بول گیا میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ تمہیں ٹیس کروں۔ میری بات سن کر وہ جو مسلسل رو رہی تھی سسکتی آواز میں بولی شانی مجھے تم سے آسائشیں نہیں اپنائیت چاہیے مجھے چیزوں کی نہیں تمہاری ضرورت ہے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔ تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھنا تمہارا ہر کہا ماننا میرے لیے عبادت کا درجہ رکھتا ہے شانی۔ محبت، ذمہ داری اور ضرورتوں کو پورا کرنے کا نام نہیں بلکہ محبت نام ہے احساس کا بس تم میرا احساس کر لیا کرو۔

رسائل ومسائل

عشق کیا ہے

عظیم الرحمٰن عثمانی: انگلینڈ

سوال: یہ عشق کیا ہے؟ کیا یہ نکما بنا دیتا ہے؟

جواب: بھائی دیکھو۔ عشق کوئی احسن شے نہیں ہے جس کے حصول کیلئے مجاہدہ کیا جائے۔ اگر کسی بیماری کی طرح زبردستی لگ جائے تو اور بات و گرنہ عشق ایک غیر متوازن رویہ ہے جس میں انسان خود توازن سے بیگانہ ہوکر ایک ہی جانب مرکوز و مبہوت ہو جاتا ہے۔ دین نے ہمیں محبت کرنا سکھایا ہے، شدید محبت کرنا سکھایا ہے مگر عشق کی تلقین بالکل نہیں کی۔ محبت میں توازن و حسن ہوتا ہے، یہ ایک ہی وقت میں بہت سے مخاطب بنا لیتی ہے۔ والدین سے محبت، رب سے محبت، رسول سے محبت، مسلمانوں سے محبت، انسانوں سے محبت، بچوں سے محبت وغیرہ۔ جبکہ عشق میں معشوق کے سوا سارے رشتے معدوم ہو کر رہ جاتے ہیں جو دین کی منشاء نہیں۔

معشوق اور محبوب میں فرق ہوتا ہے، عاشق اور محب ہم معنی نہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ اگر کسی عشق کے دعویدار کو یہ کہا جائے کہ وہ عاشق نہیں بلکہ محب ہے تو اسے یہ اپنے جذبہ کی توہین لگتی ہے مگر اکثر عاشق محب ہیں عاشق نہیں۔

عشق میں دوئی ہوتی ہی نہیں، وہ تو جنون ہے، پاگل پن ہے، یکسوئی ہے۔ اس میں محبوب نظر کے سامنے نہ ہو تو سانس نہیں آتی، صحت چاہ کر بھی ساتھ نہیں دیتی اور فراق جان لے کر دم لیتا ہے۔ یہی عشق کا دستور ہے۔ ہر چہرہ اپنے معشوق کا چہرہ دکھتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ پہلے ارد گرد بھول جاتا ہے اور پھر اپنا وجود بھی بھول کر محبوب کا عکس بن جاتا ہے۔ اسی کیفیت کو صوفیاء فنا فی الوجود سے تعبیر کرتے ہیں۔ عشقِ مجازی میں فرق بس اتنا ہے کہ اس میں محبوب خالق نہیں بلکہ ایک انسانی پیکر ہوتا ہے۔ ایک پنجابی شعر ہے:

رانجھا رانجھا کردی نی میں، آپے رانجھا ہوئی

سدّو نی مینوں دھیدو رانجھا، ہیر نہ آکھو کوئی

کہتے ہیں کہ مجنوں نے ایک روز اپنی لیلیٰ کی آمد کا سنا تو اسکی جھلک دیکھنے کے لئے اونٹ سے چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زخمی ہو گیا مگر شوقِ بیتابی میں آگے بڑھتا گیا۔ اب عقل مند یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بے وقوف نے چھلانگ کیوں لگائی؟ آرام سے سلیقے سے اتر آتا تو چوٹ نہ لگتی۔ لیکن انہیں کون سمجھائے؟ کہ عشق میں انسان ایسے حساب کتاب سے ناآشنا ہوتا ہے۔ البتہ محبت میں شدید طلب میں بھی عقل کا ساتھ رہتا ہے۔

بوعلی سینا کے پاس ایک قریب المرگ لڑکا لایا گیا بو علی سینا نے ملاحظے کے بعد ایک بندے کو کہا کہ اس شہر میں جتنے محلے ہیں ان کا نام لو، اس نے نام لیا بوعلی سینا نے نبض تھام رکھی تھی پھر ایک محلے پر کہا اس میں جتنے گھر ہیں ان کا نام لو اس نے نام لیا ایک گھر پر کہا کہ اس گھر میں جو افراد ہیں ان کا نام لو، ایک لڑکی کے نام پر کہا اس کی شادی اس سے کردو یہ مریضِ عشق ہے۔ یہ ہوتا ہے عشق۔ نہ بیان، نہ اقرار، نہ وصل بس عشق ہی عشق یعنی کہ بندہ

عین عشق بن جائے کوئی بڑا حکیم ہی پہچان سکے۔\

میری دعا ہے کہ اللہ آپ کے حق میں بہترین راستہ فراہم کریں اور آپ کو اس پر راضی کر دیں آمین۔ میری اپنی کہانی اگر میں آپ کو سناؤں تو حیران ضرور ہو جائیں گے، کوئی پیمانہ تو ناپنے کے لئے نہیں ہے مگر شائد آپ میری کہانی کو زیادہ شدید پائیں مگر اس کے باوجود میں خود کو محبت کرنے والا سمجھتا ہوں عاشق نہیں۔

مرضِ عشق

از: عظمیٰ عنبرین (ڈی-جی-خان)

سوال: السلام علیکم ،میرے ایک دوست عجیب اور حساس نوعیت کے مسئلے میں پھنس گئے ہیں۔ انہیں ایک شادی شدہ خاتون سے عشق ہو گیا ہے۔انہیں خود کو بھی احساس ہے کہ وہ اپنے جذبہ محبت کو پاکیزگی سے آراستہ رکھنے کے لیے شریعت کے مطابق عمل نہیں کر سکتے۔لیکن وہ اس غلط محبت سے جان چھڑوانے میں خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔اس مسئلے کا کوئی حل تجویز کیجیے۔بہت شکریہ۔

جواب: وعلیکم السلام۔اس معاملے میں اچھی بات یہ ہے کہ ان کو خود بھی احساس ہے اور وہ حل چاہتے ہیں۔اس مسئلے کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل عملی تدابیر بہتر معلوم ہوتی ہیں جو یہ معاملہ حل کرنے میں معاون ہو سکتی ہیں۔یہی تدابیر آپ اپنے دوست کو سمجھائیے۔1۔اگر ان خاتون سے کسی بھی قسم کا رابطہ ہو، خواہ کام ہی کے سلسلے میں اسے فوری طور پر ختم کر دیں۔ان کی تصویر تک نہیں دیکھیں، ان کے قریب نہ جائیں۔نہ ہی کسی سے ان کا تذکرہ کریں۔ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں مشکل محسوس ہو لیکن خود کو اس مسئلے سے نکالنے کے لیے یہ مشکل کام شروع کر دیں۔2۔ان خاتون کا خیال ارادی طور پر ذہن میں نہ لائیں۔البتہ اگر خود بخود خیال ذہن میں آجائے تو گھبرانے کی بجائے کسی مفید و معیاری مشغلے یا کام میں مصروف ہو جائیں۔ 3۔جس قدر ممکن ہو بے کار نہ بیٹھیں۔گھر کے افراد کے ساتھ اچھا وقت گذاریں۔کوئی ایسے کام جنہیں مکمل کرنے کا ارادہ رہا ہو لیکن ادھورے پڑے ہوں، ان کی تکمیل میں لگ جائیں۔الغرض دماغ کو فارغ رکھ کر شیطان کو وار کرنے کا موقع نہ دیں۔4۔ مکمل عزم و ہمت کے ساتھ توبہ کریں اور اس قسم کی محبت کو اپنی خودداری کی توہین سمجھیں۔5۔سب سے اہم کام یہ کہ اللہ سے استقامت کی، گمراہی میں مبتلا ہو جانے سے بچنے کی دعا کرتے رہیں۔ ان پانچ تدابیر پر پابندی سے عمل کرتے رہیں، بلکل اس طرح جیسے کہ کسی بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے پابندی سے دوا کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل! تھوڑے ہی عرصے میں ان شاء اللہ ان خاتون کا خیال آنا بھی بند ہو جائے گا۔

گلدستہ

حمد

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل (کراچی)

- آؤ اس بنانے والے کے آگے حیرت سے جھک جائیں جس کی تخلیق کائنات کے ذرے ذرے پر عیاں ہے۔
- آؤ اس شہنشاہ کی ہیبت و جلال کے آگے ڈھ جائیں جس کی طاقت سے پہاڑ بھی لرز جاتے ہیں۔
- چلو اس مسجود کے آگے گڑگڑا کر سجدے میں گر جائیں جس کے آگے سورج، چاند اور تارے بھی سجدہ کرتے ہیں۔
- آؤ اس شفیق خدا کی محبت کو سلام کریں جو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔
- آؤ اس امن و سلامتی دینے والے خدا کی پناہ مانگیں جو بلاؤں اور آفتوں کو ٹالتا ہے۔
- آؤ اس رحیم رب کی رحمت کے گن گائیں جس کی مہربانی ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔
- آؤ اس دانا خدا کے آگے سرنگوں ہو جائیں جو سراپا علم و حکمت ہے۔
- آؤ اس یقین دینے والے خدا پر ایمان لائیں جو گمانوں کے ہزاروں لشکروں کو ختم کر دینے پر قادر ہے۔
- آؤ اس بردبار ہستی سے رحم کی اپیل کریں جو قہر کرنے میں بہت دھیما ہے۔
- آؤ اس تنہا اور واحد خدا ہی کو پکاریں جو رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر فیصلے کرتا ہے۔
- آؤ اس عطا کرنے والے کی سخاوت کے آگے جھولی پھیلائیں جو صرف دیتا ہے اور لیتا نہیں۔
- آؤ اس سکون کی نیند عطا کرنے والے مہربان رب کی رحمت کی آغوش میں پناہ لے لیں جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

==================================

خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کی محبت کا بیان

ترتیب وپیشکش: خاور رشید (سیالکوٹ)

1۔ بیوی سے محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں انہوں نے بیان کیا کہ مجھے کسی عورت پر اتنا رشک نہیں ہوا جتنا خدیجہ پر جو میرے نکاح سے تین سال قبل وفات پا گئی تھیں رشک ہوتا تھا۔ اس لئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنتی تھی، آپ کو آپ کے پروردگار نے حکم دیا کہ ان کو جنت میں موتی کے محل کی بشارت دیں اور جب بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کو بھی کچھ بھیج دیتے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 962)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ محبت آپ کو کس سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ سے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 909)

2۔ اولاد سے محبت

آپ ﷺ نے فرمایا، حَسن و حُسین (رضی اللہ عنہم) میرے لیے دو مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ ان کی مہک سے میرے دل و دماغ معطر ہو جاتے ہیں اور ان کی والدہ میرے جگر کا حصہ ہیں۔ (مشکوۃ باب مناقب اہل بیت النبی)

3۔ شہر سے محبت

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر سے واپس ہوتے اور مدینہ کی دیواروں کی طرف دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز چلاتے اور اگر کسی دوسرے جانور پر ہوتے تو اس کو مدینہ کی محبت کے سبب اور ایڑ لگاتے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1812)

4۔ دوستوں سے محبت

حضرت عبداللہ بن شقیق (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام میں سے کس سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے؟ فرمانے لگیں کہ ابو بکر سے، میں نے پوچھا کہ ان کے بعد، فرمایا عمر سے، میں نے پوچھا پھر، فرمایا ابو عبیدہ بن جراح سے۔

5۔ مومنین سے محبت

حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ صرف مومن ہی کی محبت اختیار کرو اور متقی آدمی ہی کو کھانا کھلاؤ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 287)

شاعرانہ انتخاب

مجھے حال دے، مجھے قال دے
مجھے تیرا شوقِ وصال دے

ترے عکس میں محوِ رقص ہوں
مجھے ایسا ذوقِ جمال دے

دل عشق میں پھرتا ہے
اسے فطرتِ غزال دے

دیکھوں تجھے ہر سمت میں
مجھے قیدِ دامِ خیال دے

تیرے نور کا نزول ہو
اب ظلمتوں کو زوال دے

تری معرفت میں شعور ہو
مرے دل کو ایسے سوال دے

شاعر: حافظ محمد شارق

تجھے کھو کر بھی، تجھے پاؤں جہاں تک دیکھوں
حُسنِ یزداں سے تجھے حُسنِ بُتاں تک دیکھوں

تُو نے یُوں دیکھا ہے، جیسے کبھی دیکھا ہی نہ تھا
میں تو دل میں ترے قدموں کے نِشاں تک دیکھوں

صرف اِس شوق میں پُوچھی ہیں ہزاروں باتیں
میں ترا حُسن، ترے حُسنِ بیاں تک دیکھوں

میرے ویرانۂ جاں میں تری یادوں کے طُفیل!
پُھول کِھلتے نظر آتے ہیں، جہاں تک دیکھوں

وقت نے ذہن میں دُھندلا دئے تیرے خدوخال
یُوں تو میں، ٹُوٹتے تاروں کا دُھواں تک دیکھوں

دِل گیا تھا تو! یہ آنکھیں بھی کوئی لے جاتا
میں فقط ایک ہی تصویر کہاں تک دیکھوں

اِک حقیقت سہی فردوس میں حوروں کا وجُود!
حُسنِ اِنساں سے نِمٹ لُوں، تو وہاں تک دیکھوں

شاعر: احمد ندیم قاسمی
انتخاب: ساجد محمود

تمہاری یاد

سنو اِک بات

مجھے ہر پل تمہاری یاد آتی ہے

کبھی سانسوں کے چلنے پہ

کبھی دِل کے مچلنے پہ

کبھی آنکھیں چھلکنے پہ

کبھی چند انکلنے پہ

کبھی سورج کے ڈھلنے پہ

کبھی شب کے اندھیروں میں

کبھی دن کے سویروں میں

کبھی لوگوں کے میلے میں

کبھی تنہا اکیلے میں

تمہاری بس تمہاری

صرف تمہاری یاد آتی ہے

انتخاب: ڈاکٹر آسیہ رشید

سُنا ہے لوگ اُسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں

سو اُس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں

یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے دن میں اُسے تتلیاں ستاتی ہیں

سُنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُسے بھی ہے شعر و شاعری سے شغف

سو ہم بھی معجزے اپنے ہنر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُس کے شبستاں سے مُتصل ہے بہشت

مکیں اُدھر کے بھی جلوے اِدھر کے دیکھتے ہیں

رُکے تو گردشیں اُس کا طواف کرتی ہیں

چلے تو اُس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

اب اُس کے شہر میں ٹھہریں یا کُوچ کر جائیں

فراز آؤ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں

شاعر: احمد فراز

انتخاب از: عظمی عنبرین (ڈی-جی-خان)

لفظ لفظ موتی

- السابقون الاولون کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی محبت اور نفرت اللہ ہی کے واسطے مخصوص ہوتی ہے۔(پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل)
- جہاں محبت صفات سے ہو یعنی جسے دیکھ کر، سن کر، بات کر کے اللہ بھی یاد آئے، وہاں اصل میں محبت اللہ کی روح سے ہوتی ہے۔(حافظ محمد شارق)
- عبادت کا خلاصہ اور عبدیت کا مغز محبت سے عبارت ہے کیونکہ عبودیت انتہا درجے کی عاجزی و محبت ہی ہوتی ہے۔(عظمیٰ عنبرین)
- اللہ کی محبت ہی کو تمام محبتوں کی اساس اور سب چاہتوں پر بالاتر ہونا چاہیے۔(ام مریم)
- ہم سب اللہ کی محبت میں نابالغ ہیں اور نابالغ کو بلوغ کی لذتوں کا کیا علم؟(عبدالرحمٰن)
- خالق کا مخلوق سے محبت کا عکس ہر آنکھ میں کاجل کی طرح نمایاں ہے۔(کاشف جانباز)
- رشتے وہ زیادہ خالص ہوتے ہیں جن میں محبت ضرورت پر حاوی ہو جائے۔(نمرہ احمد)
- اگر ہم اپنی زندگیوں میں ناخوشگوار لمحات، کسی کی بدزبانی یا کسی کی غلطی کو ہمیشہ کے لیے بلاک کر دیں تو ہمارے دلوں میں وسعت پیدا ہو گی اور زندگیاں آسان ہو جائیں گی۔(عدیلہ کوکب)
- جب محبوب مل جاتا ہے تو سب کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ پھر اس میں وہ کیڑے نظر آتے ہیں جو محبت کے اندھے پن کی بنا پر اوجھل ہو گئے تھے۔ (پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل)
- دوسروں سے محبت کرنا اور انہیں اہمیت دینا کچھ برا نہیں لیکن ایک حد کے اندر۔ کیونکہ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔(انیلہ عارف)
- ایک سیکنڈ شریف صاحب، ایک سیکنڈ۔ میں سوچ چکی ہوں کہ جو شخص مجھے میرے والدین سے چرا سکتا ہے وہ کل مجھے میری عزت سمیت بیچ بھی سکتا ہے، اس لیے شریف صاحب آپ اپنے والدین کو دھوکہ دیجیے، مجھے میرا ضمیر جگا چکا ہے!!!(ساجد محمود)
- سچی محبت وہ ہے جو ہمیں برائی سے روک لے۔(حافظ محمد شارق)

اس شمارے کے مشکل الفاظ کے معنی

از: ماہم یامین (فیصل آباد)

الفاظ	معنی
فہم الحدیث	
طرۂ امتیاز	وہ صفت جو دوسروں سے ممتاز کرے، باعث امتیاز۔
واپسی	
خلاصی	رہائی، نجات، چھٹکارا
سانجھی	شرکت دار، ساجھے دار، ساتھی
لیبر آف لو	
مستثنی	متبادل، توڑ، بدل
زیاں	نقصان، خسارہ۔
عوضانہ	بدلہ، معاوضہ
محبت یوں بھی ہوتی ہے	
نالاں	شاکی، فریادی، عاجز، تنگ
مطابقت	یکسانیت، برابری، موافقت، مشابہت، موزونی، مناسبت
فقدان	کسی چیز کا نہ ہونا

اسرا کورس کا تعارف — مرضِ عشق	
دل گیر	مغموم، اداس، غمگین، رنجیدہ
التفات	توجہ، کسی خاص شخص یا چیز کی جانب خیال کا جھکاؤ مہربانی، عنایت، محبت، شفقت
دل شکستہ	رنجیدہ، آزردہ، افسردہ، مایوس
محبت — کیا، کیوں، کیسے؟	
دھماچوکڑی	شوروغل - ہنگامہ
بغلیں جھانکنا	شرمندہ ہونا - جواب نہ بن پڑنا
نشہ ہرن ہونا	ہوش میں آنا — غفلت کا چلے جانا
وجود پرست	
پارسائی	پاک دامن، پرہیز گار
چولا	جسم، قالب، شکل، ڈھانچہ، خول
تھپیڑے	طمانچہ، تھپڑ، ضرب

اعتبار	
سراب	فریب، دھوکا ہی دھوکا
آبلہ پا	تھکا ہوا، درماندہ
تشنہ لب	آرزو مند، شدید طلب رکھنے والا، محروم
کاش مجھے بھی محبت ہو جائے	
مزین	زینت دینے والا؛ (مجازاً) رونق بخشنے والا، رونق افروز۔
محب	چاہنے والا، محبت کرنے والا، یار، دوست، مشفق
فیس بک اور محبت	
گاہے بگاہے	کبھی کبھی، کبھی کبھار
تمہید	آغاز، ابتداء
منافی	نفی کرنے والا، ضد، خلاف، نقیض

چاہت اور عزت	
منتہا	انتہائی حد، آخری حد، عروج انتہا کو پہنچنے والا، علم و ہنر میں کامل
سوشل میڈیا	
فتور	سستی، اعضا کی سستی، ضعف، خرابی، خلل
انٹرنیٹ اور محبت	
ابتر	منتشر، پراگندہ
ہم نے دشتِ امکان کو نقش پا پایا!	
تجدید	نیا کرنے کا عمل، نئے سرے سے کوئی کام کرنے کی حالت
وہ آخری قدم	
کسک	ہلکی تکلیف، چبھن، خلش
ناسور	صدمہ، سخت رنج، قلق، غم، تکلیف دہ چیز
جھرجھری	ہلکی کپکپی یا لرزش
رمز	ایماء، اشارہ، کنایہ دل کی بات، مخفی بات، رازِ دلی
گرداب	پانی کا چکر، بھنور
رعنائی	زیبائی، حسن و جمال، حسنِ نظر

تعلقات	
اختلاط	میل جول، ربط ضبط، خلا ملا، تعلقات۔
میرا محبوب	
فزوں تر	زیادہ، بڑھاہوا، بیش، سوا
سرشاری	مست، بے خود
محبت خیر خواہی ہے	
انقباض	رک جانا
بہروپیہ	مکار اور دھوکے باز شخص
اصلی کرپشن	
بدعنوانی	ہیرا پھیری
جذباتی ذہانت	
حقانیت	سچائی، صداقت، راستی، اصلی کیفیت۔
مذموم	مذمت کیا گیا، جس کی برائی کی جائے، قبیح، برا، بد، خراب۔
حقیقی محبت	
موشگافی	موشگاف کا کام، باریک بینی، چھان بین، نکتہ نکتہ چینی۔
تیاگ	ترک کرنا، دست بردار ہو جانا، تجنا، چھوڑنا۔

ویلنٹائن ڈے اور وہ	
بے کراں	نہایت وسیع - بے کنارہ
کبیدہ خاطر	رنجیدہ دل - غمگین
دانت نکوسنا	دانت نکالنا
عفریت	شیطان
قیامت کے دن قائم رہنے والی محبتیں	
پنہاں	پوشیدہ، چھُپا ہوا، خفیہ
سرگرداں	حیران، پریشان، مضطرب
نشتر	شگاف دینے کا نوک دار آلہ
گھائل	زخمی
سوشل میڈیا کی محبتیں	
بیڑی	نکاح شادی تعلقات دنیاوی زن و فرزند۔
رسائل و مسائل	
مبہوت	حیران، متحیر، ہکا بکا، بھونچکا
معدوم	مٹایا گیا، فنا کیا گیا، ناپید، عنقا، کالعدم
مجازی	دنیائے ظاہر کا، مرادی، فرض کیا ہوا، نقلی، ساختہ، جعلی، مصنوعی، غیر حقیقی، فرضی